

یا، وارث (۱) حق وارث

ان هذه تذكرة لمن شاء اتخاذ الى ربه سبيلاً

رَشْحَاتُ الْأَنْس

موسوم به

لمحات القدس

از

آفادات مجع البرکات عاشق ذوالجلال صاحب فضل ومال فقیر حق آگاه

حضرت حاجی اوگھٹ شاہ وارثی

متوفی پھرایوں، ضلع مراد آباد۔ اندیا

- (جملہ حقوقی حق مولف محفوظ ہیں ہے)-

- نام کتاب: رشحات الانس موسم بیانات القدس
 مصنف و مؤلف: حضرت حاجی فقیر الحکم شادواری
 انگلش ترجمہ: انجم سلطان شہباز
 معاونت: راشد عزیز وارثی
 ناپیل: ایاز شہباز: اُنچ پر منگ پر یہیں، جملہ
 اشاعت باہتمام: راجہ احمد اری يوسف وارثی
 صفحات: 240
 تعداد: 500
 سین طباعت: ستمبر 2009ء
 ناشر: مکتبہ وارثیہ سنگھوئی، جملہ

- (رابطہ برائے حصول کتاب)-

- ۱۔ حاجی وارث ملی شاہ مسولیم ٹرست دیوبندی (یونی - انڈیا)
- ۲۔ ٹرست آستانہ عالیہ وارثیہ چھپریہ (شائع راولپنڈی - پاکستان)
- ۳۔ مکتبہ وارثیہ سنگھوئی، تحصیل و شائع جملہ (پاکستان)
- ۴۔ وارثی کتب خانہ بورے والا - شائع و بازی (پاکستان)

حرفِ آغاز

تیری نگاہ میں جو کچھ نہیں تو کیا ہوں میں
جہاں عشق میں گو پیکر وفا ہوں میں
محبوب کی نگاہ میں بچنے کی خواہش انسان کو کیا سے کیا بنادیتی ہے اور کہاں سے
کہاں پہنچا دیتی ہے۔ محبت عجیب کے اک اک اشارہ اہم پہ اپنا سب کچھ لانا دینے کیلئے
ہمہ وقت تیار ہوتے ہیں۔ ان کی زندگی کا مقصد و حید محبوب کی رضاہوتا ہے۔ ان کے لبؤں
پہ ہر دم سبکی رانہ ملپتا ہے:

میں ترے ہی در کافیقیر ہوں میں ترے ہی غم میں اسیر ہوں
مجھے اک ذرا سی جگہ ملے تری چشم بندہ نواز میں
سر کار حضور عالم پناہ سیدنا حاجی وارث علی شاہ قدس سرہ اعزیز عاشق ذات لد
تھے۔ انہوں نے اپنے رب کے عشق میں، رب کی رضا کی خاطر اپنا سب کچھ لانا دیا اور اس
کی ذات میں ایسے مجوہ ہوئے کہ اپنا آپ بھی بھول گئے۔ چنانچہ آپ اکثر فرماتے ”سناستا!
ہم کچھ نہیں۔“ رب کریم نے ان کے عشق کو اہر کر دیا۔ اور ان سے فقر کے ایک ایسے سلسہ
کی ابتداء کر دی کہ جس کی بنیادی عشق الہی پر رکھی گئی۔ سر کار حضور وارث عالم نواز نے فقر
اور عشق کو لازم و ملزم فردا۔ آپ فرماتے ”فقیر عاشق ہوتا ہے۔“ چنانچہ آپ سے تمام
وارثی احرام پوش فقراء نے اسی عشق و محبت کے سلسہ کو آگئے برداھلایا۔ انہیں فقراء میں سے
عاشق ذات وال مجال صاحبِ فضل و کمال فقیر بے مثال حضرت حاجی امجد شاہ وارثی اور فقیر

کامل و اکمل عاشق وارثے عالم نواز حاجی جانشہ اکمل شاہ وارثی بھی تھے۔ جن سے سلسلہ وارثیہ کی بے پناہ ترویج و اشاعت ہوئی۔ انہیں کے دامن شفقت و محبت میں پروردش پا نے والی ایک عظیم شخصیت مفلک علم و عرفان سالار تقابل سوز و گدار عکس جمال وارثے عالم نواز حضرت الحاج فقیر عزت شاہ وارثی ہیں۔ عصر حاضر میں سلسلہ وارثیہ کی ترویج و اشاعت کیلئے آپ کی خدمات بے نظیر و بے مثال ہیں۔ مساجد، مدارس، مزارات اور نماجی اداروں کے قیام کے ساتھ ساتھ آپ نے سلسلہ وارثیہ کے لٹریچر کی اشاعت کی طرف خصوصی توجہ دی اور بے شمار تدبیم اور نایاب کتب کی اشاعت نوکاہندہ بست فرمایا۔

جنون ۳۴۹۶ء میں آپ نے اپنے آخری سفر بر طاثیہ کے دوران حلقہ مجتہدین میں اس خوبیش کا اظہار فرمایا کہ سلسلہ وارثیہ کی ترویج و اشاعت کیلئے قدیم اردو کتب کو انگلش زبان میں ترجمہ کر کے شائع کرنا چاہئے۔ تاکہ انگریزی خواں طبقہ بھی سرکار و ارث عالم نواز کی تعلیمات سے مستفید ہو سکے۔ اس وقت آپ کاروئے مخن بر اورم یوسف وارثی صاحب کی طرف تھا۔ انہوں نے حضرت صاحب سے اس سلسلہ میں تفصیل چاہی تو آپ نے ”حیات وارث“ از ”مرزا پردھانیم بیگ شیدا وارثی“، اور ”رشادات الانس“ از ”حضرت حاجی امجد شاہ وارثی“ کے نام لئے۔ چنانچہ جناب یوسف وارثی صاحب نے اپنے رہبر و رہنمائی اس بات کو پلے باندھ لیا اور اس کام کو پا یہ تکمیل تک پہنچانے کیلئے کمر بستہ ہو گئے۔ ان کے صاحبزادے راجہ ابرار یوسف اس سلسلہ میں ان سے بھی آگے بڑھ گئے اور ان دونوں کتابوں کی اشاعت کی تمام تر ذمہ وارثی اپنے سر لے لی۔ ان کی کوششوں سے ”حیات وارث“ شائع ہو چکی اور اب ”رشادات الانس“ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

حضرت الحاج فقیر عزت شاہ وارثی نے اپنی زندگی میں کتنے کام شروع کئے۔ کن کن لوگوں کو وہ کام سونپے، کن کن کے پر ذمہ واریاں فرمائیں اور کون کون سے لوگ ان ذمہ

داریوں کو نجات ہے ہیں۔ یہ رو دل کے ساتھ سوچنے اور غور فکر کرنے کا مقام ہے۔
 یوسف وارث اور ان کے صاحبزادے ابھار یوسف اس حوالے سے انتہائی خوش
 قسمت ہیں کہ انہوں نے اپنے شیخ کی زبانِ قدس سے تکنی والی القاٹ کو سننا، سمجھا اور
 اسے عملی جامہ پہنایا۔ میری گزر ارش پر میرے انتہائی عزیز اور مہربان دوست چنانِ احمد
 سلطان شہزاد نے بڑی محنت کے ساتھ اس کتاب کا انگلش ترجمہ کیا۔

اللہ کریم حضور سر در کائنات بَلِّیل اور سر کار دار شاپاک کے صدقے ان کی اس
 خدمت کو قبول فرمائے۔ انہیں دو جہان کی خوشیوں، فعمتوں اور آسانشوں سے نوازے اور
 ہمیشہ کامیابیوں اور کامرانیوں سے سرفراز فرمائے۔ ان کے چند بہ ثقیل و محبت اور سوز و گدراز
 میں شب و روز اضافہ فرمائے اور ہم سب کو اپنے مرشد کریم کی تعلیمات کو سمجھنے، ان پر عمل
 کرنے اور وہر دن تک پہنچانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آئین ثم آئین بحق سید
 المرسلین بَلِّیل۔

فقط

خاکِ در حبیب بَلِّیل

راشد عزیز وارث

E-Mail: rawarsi707@yahoo.com

یاوارث

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله من قدر خيراً و حلا والشجر لمن ضرر خسراً و حما
 لِمَ شَهَدَ بِاللَّهِ هُوَ الْوَاحِدُ حَقًا لِمَ اشْهَدَ إِنْ فِتْرَةَ اللَّهِ تَعَالَى
 اللَّهُ أَللَّهُ كَيْا شَانَ بِهِ كَخَاتِكَوْنَ وَكَانَ كَيْ إِكْرَانَ كِنْ يَكُونَ نَيْ كَرْشَه
 وَكَلَايَكَ بَخْزَرْ دَهْزَارْ (ستر ہزار) عَالِمَ تَلَوْتَ عَدْمَ سَيْ جَلَوتَ وَجَوْمَيْنَ آيَا - جَوْصَانَ ہے چون
 وَيَكُونَ كَيْ إِعْلَامَاتَ گُونَگُونَ سَيْ سَرَابَمَلُو ہے۔

تعالی اللہ کمال صنع ہیوں کہ ما را از عدم آورد ہیوں
 وجود جملہ خلیل حضرت اوست بھہ آثار صنع قدرت اوست
 (الله تعالیٰ کی ذات کمال کی صانع ہے جس نے مجھے عدم سے باہر کیا اور یقیناً و جو اس کا
 سایہ ہے اور یقیناً اس کی قدرت کی ہیں) ۔

چنانچہ تمامی کائنات حضرت الوہیت کے کمالات کا مجموعہ اور سرکار احادیث کے
 صفات کا آئینہ ہے۔ از مرشنا پریش اس کی قدرت آنکھارا اور اس کی صنعت کا اظہار ہے بقول

بھہ ۱۱۱ مظاہر ذات

بھہ اشیاء مظاہر ذات

(تمام رہنمائی کی ذات کے زیر جان ہیں اور تمام چیزیں اس کے ناموں کی نشانیاں ہیں) ۔
 لیکن باوجود یہ جملہ تحقق اپنی سیرت میں فرد اور صورت میں بے ظیر ہے۔ عکسی
 مسلم ہے کہ انسان صنعت الہی کی تخصیص اور تکملہ تصور ہے، بصرات لَفَدَ حَلْقَةَ الْإِنْسَانِ
 فی أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ط جس طرح ذات ایزدی یکتا و بے ہمتا ہے اسی طرح یہ یکل انسانی اس کی
 قدرت کامل کی بیش نشانی اور تمامی تحقق سے انضل و ممتاز اور خطاب "لَفَدَ حَرْمَنَانِی اَدَمَ" ۔
 سے سفر از ہے بقول جانی علیہ الرحمۃ

اے ذات تو از صفات ما پاک کنه تو ہیون ز حد اور اگ

یاوارث (۲) تقویت

آدم بتو شد کرم ارد پھا سے مقام ذرہ خاک

﴿تیر کی ذات میری صفات سے پاک ہے اور تیر کی حدود میرے فہم اور اک کی حدود سے باہر ہیں۔ آدم کو تجھے سے تکریم ملی ورنہ خاک کا مقام ذرے سے زیادہ نہیں﴾

بلکہ خاص اسی مشت خاک کا پیشہ و اختصار ہے کہ حضرت احمد رضی اللہ عزوجلہ نے اپنے یقדרت سے تیر کیا اور اس کی صفت بے حدیں نے ایسا تکلیف و جیل محسوس قریب فرمایا جو بلحاظ آب و گل بظاہر تیرہ دار یک شرور ہے مگر درحقیقت انوار قدسیہ سے پرپور اور اسرار الہیہ سے معنوں سے بقول

زبے در تیری دیدار کروہ طسم کنج پا سار کروہ

تاب صورت آنجا باز بست خودی و خوش در پر وہ نشست

﴿اس نے اندھیرے میں دیدار بخشا اور مسحور کن خزا نے کو اسرار سے لبریز کر دیا وہاں اس نے اپنی صورت سے چاہ بٹایا اور وہ خود اور اس کے اپنے پردے کے پیچے بیٹھ گئے﴾

حتیٰ کہ صالح بامال نے ”وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُّوحِي“ کا مقتدر اعزاز اور ”فِيَ الْفُسْكُمْ أَفْلَاتُ تَحْرُونَ“ کا مخصوص امتیاز مرحمت فرمایا کہ اس حسین محسوس کو تمام عالم و عالمیان سے ایسا ہرگز یہہ وہ ممتاز گیا کہ عراج معرفت میں ”عَلَمَ ادَمَ الْأَسَمَاءَ كُلُّهَا“ کی دولت لا زوالی و دیعت ہوئی اور سر کاراحدیت سے اسی خاک کے پتلے نے خلیل اللہ کا پاک اور مقدس خطاب پایا اور ذات واجب الوجود کا آئینہ اور اس کے صفات شیر محمد و کام مظہر اتم ہوا۔ بقول

خداوندے کے جان پکید و اوراک نہاد اسرار خود را در کف خاک

زخاکے ایں بہ معنی نمودہ در و دیدار خود پیدا نمودہ

﴿اللہ تعالیٰ نے اور اک کو جان دی اور اسی مسحی بھر خاک میں اپنے راز مسعودیہ اسی خاک سے تمام معانی پیدا ہوئے اور اس میں اس نے اپنا جلوہ ظاہر کر دیا۔﴾

حقیقت یہ ہے کہ وہ شاہد ہے ہمارا جو پر نہ عظمت اور چاپ خفا میں لمبا یکتاں ہیش سے مستور تھا۔ اس نے باہ جو دینے والام و نثار ہونے کے پیشان رکھائی کہ صورت آدم میں جلوہ نہیں فرماتی۔ بقول

اے مغربی آں یا رک بے نام و نثار بور

بے نام و نثار آمد و بام و نثار شد

﴿اے مغربی وہ دوست ہو کہ بے نام و نثار تھا بے نام و نثار آیا اور نام و نثار بن گیا یہ﴾

یا و مارٹ ۸ دو ماہ

جسی اس لامکان کی چیزیں کا انہیاں سرگنگ میں ہوا کہ
خل قدم کے از جهن جان برآمدہ
شان گھنے بصورت انسان برآمدہ

وہ جب اس کے قدر و تامت کا درخت بائی سے باہر آیا تو اس کی شاخوں پر انسان پھولوں کی طرح ظاہر ہوئے۔

الہ ان ہی مخصوص صفات کے لحاظ سے آہم با خبار دینہ ممکنات کے اکمل و فضل ہے۔ جس کے شرف و اقتدار کا اعلان ہر روز میثاق ہوا کہ جناب احمدیت جل جلالہ نے اپنی مقرب و نورانی مخصوص سے حکم فرمایا کہ ”فَلَمَّا لَمْ يَكُنْ كَيْفَيَةُ اسْجَدْنَا“

آن دم کے آدم آمدگردید آنکارا

اسرار کرت کنز آنکارا شمس و انہیا را

وہ اس وقت ہب آدم کا ظہور ہوا تو آن قاب نے کن کے اسرار بھجو کر روز و شب کا سلسہ شروع کیا۔

اگر یہ وجوہ خاکی رموز حقیقت کا آئینہ اور علم معرفت کا گنجینہ نہ ہوتا تو اس کے آگے مخصوص قدسی سریت ستر تسلیم شم نہ کرتی اور ابوالبشر آدم علیہ السلام مسیح ملائک نہ ہوتے بقول حضرت فہری الدین عطیار علیہ الرحمۃ:

گرنہ بود ذات حق اندر و جو

آب و گل را کے ملک کروے جو

وہ اگر اس خاکی و جوہ میں اللہ کی ذات نہ ہوتی تو کبھی فرشتی اور پانی اور مٹی کے ان عناصر کے سامنے تجدہ رہی نہ ہوتے۔

غرض انسان ہر چند خلقنا ضعیف المیان ضرور ہے مگر بے کمال خیس و استقماں اس سرفراش نے وصال شاہد حقیقی کے بوش میں اتفاصل برداشت بارماں انت انجلیا۔ جس کے صدر میں سرکار کریم گار ساز سے یا عز از ماں اک اپنے عاشق جاہل کو ہتم مخصوص سے ممتاز فرمایا تقول:

کرو فر ایز دی بیت آدم گرفت

رحمت پور دگار صورت انسان رسید

وہ اللہ تعالیٰ کا جمال و جمال انسان کی قابلیت میں آیا اور اللہ کی رحمت نے انسان کی قابل انتیار کری۔

یادداشت (۴۹) حق و مارث

چنانچہ کتب سیر کی ورقی گردانی کرنے سے حلوم ہوتا ہے کہ از آدم تا ایدم کوئی قرآن ایسا نہیں گز را کہ کسی فرد یعنی آدم کی مخصوص شخصیت کا شہر ہونا ہوا اور اس کے ملکی مرتبہ کا نکارہ نہ بجا ہو۔ بلکہ ہر عہد میں شخصیت کے ساتھ انسان کی شان و عنصیرت کا نٹان بلند رہا۔ جس کی وجہ یہی ہے کہ درحقیقت انسان جامعہ کمالات ہے۔ یہب تک جاپ تقدیمات میں محبوب ہے۔ مجبور بے اور جب توفیق الہی سے اپنی اصل کی جانب رجوع ہوتا ہے تو آبائی شرف و اختصاص کا حقیقی ورثا اس کو ملتا ہے۔

بلکہ ایسے انسان کامل کا عہد زندگی دنیا میں غیر معمولی طور پر یادگار ہوتا ہے اور اس کی قوم فخر و مبارکات کے ساتھ اس کے فضل و اقتدار کا اقرار کرتی ہے اور اس کی گروپ ہو کر اس کی تقلید میں سرگرم رہتی ہے اور اس کے افعال و اقوال قلمبند کرتی ہے جس کے مطالعہ سے دوسروں کو ہمیشہ فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ بلکہ بعض مقدس حضرات نے اپنے سوانحات نہایت تصریح و تشریح سے تطییر فرمائے ہیں اور وہی ذریں ہدایات کا مجموعہ مالکین راہ طریقت کے لئے مکمل و مستور اعلیٰ اور حصول فیضان باطنی کا مضید ذریعہ ہا ہے جس کی نسبت حافظ شیراز علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:-

**کلک توارک اللہ در ملک و دین کشاوہ
صد چشم آب حیوان از قظرہ سیاہی**

﴿تیر اقلام اللہ تعالیٰ کی عنایت سے ملک اور مذہب میں متحرک بے اور اس سے پہنچنے والی سیاہی کے ایک قطرے سے آب حیات کے سوچشمے پھوٹتے ہیں۔﴾

مگر چھوٹیں اپنیں بزرگزیدہ چھوٹیوں کے مذکروں میں ہے جس کو تقریباً الہی کا شرف اور حیات جاوید حاصل بے اور جو واقعی انسان بلکہ انسان کامل ہیں۔ اسلئے کہ ان کا عہد ظاہر کی جس طرح خلق کو فائدہ پہنچانا ہے اسی طرح ان کا باطنی تصرف بھی سائز و دائرے بے اور رہے گا۔ کیوں کہ بغاۓ ایزدی نے ان کو حیات سرمدی مرحمت فرمائی ہے۔ بقول حضرت جامی علیہ الرحمۃ

**زندہ بخش نہ مردست و نجود ہرگز
لایرانی بود این زندگی و لم یزدی**

﴿بجوشٹ میں زندہ ہو کجی نہیں مرتا اور نہ مردہ ہوتا ہے وہ اس زندگی میں لا زوال ہوتا اور اس کے بعد بھی زوال میں نہیں گرتا۔﴾

انجی حضرات کے حالت و واقعات تقابل خیر بھی ہیں اور ان کے اقوال و افعال میں
بنا شیر بھی ہوتی ہے کہ صدیوں کے بعد ان کے مطالعہ سے ماظرین کامیاب اور فائز المرام
ہوتے ہیں لیکن ماوشہ کے سوانحات نہ اس لائق ہیں کہ خیر میں لائے جائیں اور زمان کا مطالعہ
آنکہ نسلوں کو مفید اور سوداہند ہو سکتا ہے۔

چنانچہ اکثر احباب نے اس فقیر سے فرمایا کہ تم اپنے حالات زندگی قلمبند کرو۔
جو ہماری واقعیت یعنی مفید اور بکار آمد ہوں گے۔ لیکن میں نے ہمیشہ یہی عرض کیا کہ فتح را عکا
ملین کے ذکرے مفید ہو رہتے ہیں۔ مگر وہی حضرات جو صاحب خیر و برکات ہیں ان کے
اقوال و افعال چونکہ حقیقت سے ملدو ہوتے ہیں اس لئے ان مقدس ہستیوں کے حالات
و واقعات میں بھی یہ اثر مضمر ہوتا ہے کہ ان کے مطالعہ سے ماظرین کے عادات شائستہ اور
خیالات پہنچتے ہو جاتے ہیں لہذا یہ کہنا الکل صحیح ہے کہ بر رگوں کے ذکرے بھی فیض و تصرف سے
خالی نہیں ہوتے لیکن میرے حالات نہ تقابل نہ کریں نہ لائق الفاتح۔ ”من آنم کر من دانم“ کا
ضمون ہے جب کہ میری اس حقیقت سے کسی کو فائدہ نہیں پہنچا تو میر اذکر کہ کب سوداہند ہو گا۔

لیکن جب احباب نے بار بار یہی اصرار کیا تو مجبوراً مجھ کو یہ خیال ہوا کہ میرے
حالات تو درحقیقت معمولی واقعات ہیں جو ہرگز اس لائق نہیں کہدا را ماظرین کروں۔ البتہ میری
زندگی کا وہ حصہ جو پیشوائے پرحق کے حمور میں گذر رہے وہ اس وجہ سے تقابل ذکر ضرور ہے کہ
ایسے ہادی کامل کافی اور ایسے زبردست رہنا کا دست اگر فتوح ہوں جس کی عظمت و رونق کا شہر،
چارواں گ نالم میں ہے۔ اگر اس سلسلہ میں اپنی بیعت و ارادت اور اپنی تہبید پوچشی کا ذکر کروں
تو شاید زیادہ مناسب ہو گا۔ کیوں کہ درحقیقت وہ ذکر سیدی و مولانی مرشدی و آنکے سر کا رعالم
پناہ آیے مگر آیا تا اللہ حضرت وارث پاک خلق الصدقی صاحب لوالہ کے فیضان و تصرف کا
ذکر ہو گا۔ لہذا بتقول مولانا علیہ الرحمۃ:

خوشنز آن باشد کہ سر لہڑاں

گلہ آیہ در حدیث وکراں

فوجہ نہایت خوش قسمت ہے کہ جس کا ذکر محبوب کی محفل میں دوسروں کی اقوال کے دوڑان ہوتا
ہے۔

لہذا اس پرده میں اپنی حقیقی زندگی کے حالات یعنی وہ واقعات جو بارگاہ وارثی میں
حاشری کے وقت دیکھے ہیں نکارش کروں گا لیکن محفل سلسلہ کی غرض سے۔ پہلے اپنی ابتدائی

یا و اردت (۱۱) حق و ادعت

کیفیت اور آبائی حالت مختصر لفظوں میں عرض کرنا ہوں۔

غ: "ام کس کی قوت اقصیٰ ماہم زماشید"

(وہ شخص کی جس نے میرا قصہ میری زبان سے سنایا)

ہر چند فتحی کا آج کوئی ملکوں کا نہیں لیکن اس قدر کہ سکتا ہوں کہ قصہ پھر ایسے خالع مراد آباد کا قدم رہنے والا ہوں اور آج بھی اس قصہ میں جب آتا ہوں تو والد ماجد کا مزار چونگا مسجد سہرا ب شاہ میں بے اس لحاظ سے حسب ہدایت پیشوائے برحق دیں قیام کرنا ہوں۔

پہلے میرا آبائی نام بدرا مدین تھا۔ میری پیدائش ۲۹ محرم الحرام ۱۲۹۱ ہجری میں ہوئی اور والدہ رنگوار کا اسم گرامی شاہ شمس الدین قادری چشتی صاحبی علیہ الرحمۃ ہے جو اپنے دا میں زمیندار و ملازم سے پیش تھے لیکن بعدہ جناب حاجی نلام رسول صاحب قادری قدس سرہ مند آرائے گو وہنا خالع بلند شہر کے مریض ہوئے اور شاہ صاحب موصوف نے سیاحت کا حکم فرمایا تو مسلسل بارہ سال تک یہ سیاحت میں مصروف رہے اور ہر طریقہ و شرب کے مٹاہیں حضرات کی صحبت سے مستفیض ہوئے۔ بلکہ بعض فترائے ہند کے ساتھ بھی رہنے کا اتفاق ہوا جیسا کہ آزاد خیال حضرات کا مذاق ہوتا ہے۔ قول:

تمی بُجک میں آئے کے سب سے مسٹی دیائے

ا جانے کہ بھیں میں ارائی مل جائے

چنانچہ فتحراۓ ہند کے ارتبا طلاق و تھاد سے یہ نامہ ہوا کہ قوائد یوگ اور خوابیا جوگ جو طے مراحل کے لئے ان کے شرب میں لازمی ہیں ان سے کمائل واقفیت ہوئی اور طبیعت کا یہ انداز ہو گیا کہ ہر طریقہ و مصلک کے فقیر سے بھرا تھاد کے اختلاف نہیں فرماتے تھے۔ بلکہ جملہ اہل مل و مذاہب سے یکساں ملتے تھے جسی کہ یا روا غیار کی بھی فخریت اخلاق میں نہ تھی۔

بعد بدست معینہ بہب سیاحت سے واپس آئے تو جناب شاہ صاحب مددوح الصدر نے روز توحید علمی فرمائے اور خلافت نامہ و ہر طریقہ تاؤریز میں جس کا مسلسل مطلب الاظباب حضرت اخوند صاحب مخدوم اولادیت سوات پیرستے ہے ظایفہ مجاز کیا اور یہ بھی فرمایا کہ ہر ان کا لیکر شریف میں جا کر حقیقت آگاہ جناب ہیر علی شاہ صاحب چشتی کے دست حق پرست پر مسلم صاحبی میں بیعت کرو۔

چنانچہ اسی وقت بمصداق

”مے سجاوہ رکھیں کن گرست بھی مخان گوید۔“

وہاگر تمہیں بیرون مقام کیے تو اپنے سوارہ کو شراب سے رنگیں کرو۔ ۴۷
بیرون کلہ شریف کا سفر کیا اور حسب الحکم بیرون شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر
ہوئے۔ شاہ صاحب نے بکمال شفقت خاندان پشتیہ صاحب یہ میں داخل کیا اور بعد ہدایات
ضروری شرف خلافت سے مشرف فرمایا اور اپنا شجرہ جس کا سلسلہ حق نیوش حضرت شاہ خاموش
قدس سرہ اعززیت سے ہے محنت فرمایا کہ اس کا بیرونی شریف ہوا۔

جناب والد ماجد نے اسی شب کو حالت جوش و وجود میں ایک غزل لکھی جس کا مطلع
اولیٰ ہے:

اول

کبوں کیا رتبہ اعلیٰ علاؤالدین صاحب کا

بے دیکھو ہے متوالا علاؤ الدین صابر کا

دوسرے روز اجیہر شریف کا سفر کیا اور حضرت غریب نوازؑ کے آستانہ اقدس پر
سافر ہو گرتا تھا کہ اپکے مجرہ میں جانہ کش ہوئے۔

ہنوز آپ ائمہ شریف میں حاضر تھے کہ پھر ایوں میں یہ واقعہ پیش آیا کہ سقف کان سے شارئِ عام کی جانب میں گر پڑا۔ لیکن مجھ کو خوب یاد ہے کہ اس گرنے میں صاف طور پر یہ دیکھا کہ ایک زن مدد و بُلے مجھ کو گود میں لے لیا۔ چنانچہ باہ جو ولیٰ بلند چھٹت سے اور پختہ سڑک پر اس طرح گرا کر زندہ رہنا ممکن تھا۔ مگر یہ ان طریقت کے فیضان و برکت ہے میرے تمام اعنیا زخم اور چوت سہا انکل محفوظ ہے۔ بقول حضرت مولانا علی المرتضی

(ولی) را بست قدرت از (الـ

تیر چشم باز گردید نه رام

ولیوں کو اللہ کی طرف سے قدرت حاصل ہوتی کہ وہ کمان سے نکلے ہوئے تیر کو واپس موز سکتے ہیں۔ ۴۶

اس واقعہ کے پانچ روز کے بعد جناب والد ماجد ابی شریف سے تھرا یوں آئے
اور فرمایا کہ خواجہ غریب نواز کے تصرف سے مجھ کو وہیں معلوم ہوا کہ بدال الدین کوٹھے پرستے
گرا ہے اور اسی وجہ سے تھرا یوں آنے کا حکم ہوا یعنی جب مجھ کو تدرست دیکھا تو خوش ہو کر مجھے
شکراوا کیا اور ہر وقت مجھ کو ساتھ رکھنے لگے۔

ای زمانہ میں ایک درویش جن کا ماموہن شاہ تھا اور ایک مجدد و عورت سُکمی بُنگا

بہت شہر تھا اور قصہ کے باشندے ان کو مل جذب اور صاحب بال مل سمجھتے تھے اور یہ دونوں خدا شناس والد ماجد کے پاس زیارت آتے تھے۔ چونکہ میری نظر بہت کم تھی اور ان کی خدمت میں اس قد رشو خ بھوگیا تھا کہ اکثر موہن شاہ کے کاندھ پر سوار ہو جانا تھا۔ مگر وہ اپنے حلم اور محبت سے میری اس گستاخی کو بھی نظر انداز فرماتے تھے۔

مجھے یاد ہے کہ جب میں کوئی تھے گر تھا تو پارہم (۳۰) میں سورہ کافرون پر اعتماد تھا لیکن قرآن مجید تتم کرنے کے بعد میں سرکاری مدرسہ میں داخل ہو پھر مدرس اشناقی اور نیز دیگر مکتبوں میں تعلیم پائی اور میلاد خوانی کا شوق ہوا تو والد نے چوہڑی محسان خان صاحب کے پیرو دیکیا۔ ہن کی خوش بیانی آج تک مشہور ہے اور ورزش میں استار پڑھوا ہن گر کاشا گرد کرا دیا۔

چوں کہ جناب والد نے پھر سیاحت نہیں فرمائی۔ اس لئے اکثر درویش آپ کی ملاقات کو پھرایوں آیا کرتے تھے۔ بلکہ ہنچاپ سے ہندو فقیر بغض استفاضہ و رفع شکوہ جب آئے تو ان کا قیام مہا و یو مندر میں ہوا۔ والد ماجد وہیں جا کر سکیل نالا ب پر بیٹھت تھا اور کسی سے اذکار و اشغال کا نہ کرہ، کسی سے روز توجیہ میں گفتگو ہوتی تھی اور کسی کو یوگ اور جوگ کے مخصوص قواعد و فوائد سے آگاہ فرماتے تھے اور چوں کہ میں ہر وقت ساتھ رہتا تھا اسلئے وہی وکار صحبتیں یاد ہیں اور ان کا نقش آنکھوں کے سامنے رہتا ہے۔

ایک روز امراوں ملنے کے اسکے پولیس اور علی اسد خان صاحب اسکپر حلقة جو والد صاحب کے معتقدین میں سے تھے آئے اس وقت میں بھی حاضر تھا والد ماجد نے ان دونوں کو بھی بعض تصحیحیں کیں اور اسی اثنائیں مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا سنو۔

بیانِ ختن ۷ تحریک گنتگو گفتہ

ہاں اے پرکہ بیہ شوی پند گوش کن

﴿خُنَّ شَنَّسْ بَزَرْگَ بُو كَجَحَ كَبَتَهَ هِنَّ تَجَرَّبَكِي بَنِيادَ پَرَ كَبَتَهَ هِنَّ الْمَدَايَ مِيرَے بَلِيَّ بُولَحَ حَاهَوَنَے سے پہلے تصحیح پر دھیان کر ﴾

بدرالدین احمد تم کو بھی ایک تصحیح کرتے ہیں اور یہ دونوں صاحب اس کے شاہد رہیں گے کہ اگر جماری بدایت کی خلاف ورزی کرو گے تو میں ہمیشہ خوش رہوں گا۔ ہر چند اس کی امید نہیں کہ تم مجھ کو رنجیدہ کرو گے۔ بلکہ خدا نے توفیق دی تو ضرور میری اس تصحیح کو مانو گے۔

بقول حافظ شیراز علیہ الرحمۃ:

تصحیح گوش کن جان کر از جان دوست توارند

بواں سعادت آپ پنہ جہ ۱۶ را

﴿ بصیرت پر کان دھرو، فرمایہ دار بوان بزرگوں کی بصیرت کو جان سے پیارا جانتے ہیں یہ میں نے عرض کیا کہ فرمائیے انشا اللہ آپ کے حکم کی ضرور تعلیل کروں گا۔ ارشاد ہوا کہ تمہارے واطھے بھی مناسب اور مفید ہے کہ تم منا کھت نہ کرنا اور ہمیشہ مجرد اور آزاد رہنا۔ میں نے شوئی سے عرض کیا کہ آپ نے کیوں شادی کی؟ فرمایا کہ ہم نے اپنے باپ کے حکم کی تعلیل کی ہے اسی طرح تم اپنے باپ کی ہدایت پر عمل کرو۔ انہوں نے شادی کرنے کی ممانعت نہیں کی بلکہ خود ہماری شادی کرو یہی اور ہم تم کو بصیرت کرتے ہیں کہ شادی نہ کرنا۔ میں نے سر تعلیم شم کیا اور دست بستہ ہو کر اقر کیا کہ جو آپ نے فرمایا ہے وہی کروں گا۔

عرض ہمیشہ آپ کی توجہ میری تربیت کی جانب مبذول رہی۔ معمولی باتیں بھی زرین بصیرتوں سے مملو ہوتی تھیں اور ہر وقت افتراق و تصوف کے نکات بیان فرماتے تھے جن کے سمجھنے کیلئے اس وقت میری نہ اس قدر تھی۔ افسوس ہے کہ آپ کے ہنوز صدر کے جواہر بے بہا کے حصول سے یہ بد نصیب محروم رہا کیونکہ میرے عنوان شباب میں دھڑا آپ کی طبیعت ماسماز ہوئی اور بعد کو حلوم ہوا کہ یہ آخری بیماری تھی۔

چنانچہ پہلے تھرا یوں کے اطلاع کا علاج ہوا مگر جب افات نہ دیکھا تو آپ بغرض علاج اصرافہ میں آئے اور مجھ کو نہراہ لائے۔ چند روز کے بعد میرے مخللے بھائی ڈاکٹر قمر الدین بھی وہاں آگئے۔ ہم دونوں تمارداری میں مصروف تھے کہ ایک روز مجھ سے فرمایا کہ اب ہم اچھے ہیں تم قصہ دیوئی شریف مخلع بارہ بھکی میں جاؤ اور جناب حاجی سید وارث علی شاہ صاحب کے مرید ہو جاؤ۔

ہر چند بج تعلیل ارشاد کے عذر کیا لازم نہ تھا مگر حالت چونکہ روز بروز متغیر ہو رہی تھی اس لئے مفارقت گوارانہ ہوئی اور انتظاری نام میں یہ عرض کیا کہ ”جب تک آپ کو صحت کامل نہ ہو جائے گی میں آپ سے ایک دن کے لئے بھی علیحدہ نہ ہوں گا۔“

پھر آپ نے یا صرا فرمایا کہ

”تم جاؤ ہم اچھے ہو جائیں گے اور یہ بھی بتائے دیتا ہوں کہ جناب حاجی صاحب قبلہ سیر و سیاحت میں رہتے ہیں اگر دیوئی شریف میں نہ ہوں تو دریافت کرنا اور جہاں قیام پڑے ہوں ویس جا کر ان کے مرید اور انہی کے فقیر ہو جانا۔ ان کا لباس رنگین احرام ہے اور شیرینی

میں اللہ اور شوہبیوں میں جن کا عطر پسند ہے سبھی بھائیوں نے جانا۔

میں نے پھر وہی عرض کیا کہ:

”چند روز میں آپ کو افاقت ہو جائے گا۔ اس وقت انشا اللہ میں جاؤں گا اور اپ سروچشم آپ کے حکم کی تعییں کروں گا۔ اس کے بعد آپ خاموش ہو گئے۔“

جتاب والد ماجد قبلہ کی یہ ہدایت جو میرے دین و دنیا کی سلامتی کے واسطے کافی اور میری زندگی کیلئے سرمایہ ماذ ہونے والی تھی جب تم ہوئی تو چند گھنٹے کے بعد روشنی خیال قطع ہونے کے آثار نمایاں ہوئے۔ حتیٰ کہ اسی روز یعنی ۱۳۱۲ھجری کو بعد ظہر نفس جسی سے طاڑ روح پر فتوح نے پرواز کیا۔

إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

قبل انتقال کے پہلی فرمایا تھا کہ بہتر یہ حلوم ہوتا ہے کہ میرے ہادی طریق پشتیہ کے مزار اقدس کے قریب جو محلہ بنوالا (امر وہ) میں ہے میری قبر ہو اور اگر پھر ایوس لے جانا تو مسجد سہراپ شاہ میں مجھ کو فتن کرنا۔

چنانچہ بھائی تمر الدین نے پھر ایوس لے جانا مناسب سمجھا اور فوراً ایک ہاتھ مکار کرایکا اور امر وہ سے روانہ ہوئے۔ راستہ سے بجلت تمام میں آگے گئے بڑھا اور کان پر جا کر خشکی اور تجھیز و تکفین کا سامان کیا اور نصف شب کے قریب وہ جسم نورانی حسب ہدایت مسجد سہراپ شاہ میں پر دخاک کیا۔

جب ظلیل ہدایت پر می سر پر نہ رہا تو والدہ صاحبہ کے سایہ عاطفت کو منع کم چان کر ان کی خدمت گذاری میں ایسا مصروف ہوا کہ والد مر جوم کی آخری ہدایت کی بھی تعییں کرنا کر سکا اور دیوی شریف تک سفر کرنے کا موقع اس وجہ سے نہ ملا کہ والدہ کی طبیعت اس اساز ہتھی گئی اور اگر ان کے علاج سے کبھی تھوڑی فرست ملی بھی تو ان کا ضعف دیکھ کر علیحدہ ہوا دل نے گوارانہ کیا اور ان کا انحصار ایسا نہ تھا جو ایسا ہتا گیا کہ جس کا نتیجہ یہ ہوا ک انہوں نے بھی پانچ ماہ کے بعد ریج ال۱۳۱۲ھجری میں ہبیش کیلئے اس وارثانی کو چھوڑا اور ملک جاودا فی کو حلقت فرمائی۔

بعد مراسم چھلم وغیرہ میں نے ایک شب کو یہ خواب دیکھا کہ کوئی شخص کہتا ہے کہ تمہارے والد زندہ ہو کر آگئے اور تم کو بلاتے ہیں یہ خبر سن کر میں دوڑا۔ راستہ میں غیر معمولی ہجوم نظر آیا جب اس مجمع کے قریب پہنچا تو یہ دیکھا کہ ایک سانپ ہے جس کا سر اور دم زمین کے اندر اور بقیہ جسم باہر ہے اور لوگ اس کو نکالتا پا جاتے ہیں مگر وہ نکلتا نہیں۔ میں نے بھی اس کے

نکالنے کی کوشش کی۔ لیکن جب وہ نہیں نکلا تو کسی نے کہا کہ اس کو چاقو سے کاٹ دو۔ میں نے ایسا ہی کیا تو اس کے گلوے پر آسمانی نکل آئے۔ اس کو چھوڑ کر آگے چلا تو حاجی اشناق حسین صاحب کو دیکھا کر اپنے دکان میں حسب محمول چوکی پر بیٹھے قرآن مجید کی حافظت میں مشغول ہیں۔ چونکہ والد کے دیکھنے کا اشتیاق اپنا تھا کہ ماہوں صاحب کے پاس بھی نہیں ٹھہر اور قصہ کے باہر شرتی و جنوبی سمت وہ تالاب جو گندہ کے مام سے مشہور ہے اس کے قریب جا کر نظر آیا کہ تالاب کی دوسری جانب ایک بائی میں والد تہبند باندھے بیٹھے ہیں اور کلمہ طیبہ کا ذکر بالجھر کر رہے ہیں۔ میں نے بہت کوشش کی۔ مگر طفیلانی کی وجہ سے تالاب کے پار نہ جاسکا۔ مجبور ہو کر آواز بلند عرض کیا کہ میں کس طرف سے حاضر ہوں جس کے جواب میں والد نے پر فرمایا کہ پورب سے آؤ گے تو مجھے تک پہنچ جاؤ گے۔ حسب ہدایت میں پورب کی جانب چلا تو ایک پشتہ نظر آیا۔ اس پر چلنے کا قصد کیا تو بیدار ہو گیا۔

میں نے اس خواب کی تعبیر یہ کہی کہ جب تک پورب جا کر جناب حاجی صاحب قبل کا حلقة گوش نہ ہوں گا۔ دنیا کے عین تالاب سے عبور دشوار بلکہ اس کی سعی و کوشش کرنا بھی بیکار ہے۔ بقول

نہ شوی واقف یک نکیز ز اسرار و جو
گر تو سرگشہ شوی وازہ دکان را

﴿اگر تو ممکن است میں بھلکتا رہا تو اسرار و جو کے ایک نکتے سے بھی واقف نہیں ہو پائے گا۔﴾
اس روز سے فکر زیادہ ہوتی کہ جس طرح ممکن ہو جلد سے جلد یہ دولت سرحدی حاصل کروں لیکن سفر کے لئے خرچ نہ تھا۔ اس لئے چند روز حاضری سے محفوظ رہا۔ ہر چند داری کے باعث اس ستر کی احیت زیادہ حلوم ہوتی تھی۔ بلکہ اکثر مایوس بھی ہو جاتا تھا۔ لیکن کوئی تو ستر آمادہ کرنی تھی اور دل فر رہ ہیسا ذہن کہتا تھا

حافنا غم مخور کے شاہد بنت
عاقبت برکشہ ز پیغمبر نقاب

﴿حافنا غم مت کھا کر تمہاری قسمت یا اوری کرے گی اور آخرا کار و ہچھرے سے نقاب اتارے گا۔﴾

ناگاہ فیض سے یہ سامان ہوا کہ ایک شیخ زادہ جو والد مر جنم کی مریضہ تھی وہ آئی اور پچاس روپیہ پیش کرنے کے بعد کہا کہ یہ میرے سیر کا حکم تھا جس کی میں نے نعمیل کی۔ اب تم حاجی

یا ولادت (حکایت) حقوما

صاحب قبلہ کی خدمت میں جاؤ۔

میں نے خیال کیا کہ اس سفر کے واسطے پچاس روپیہ زائد ہیں۔ اس لئے بصدق اقی:

”ہر چیز گیر یہ منحصر گیر یہ“، بھیس روپیہ اس ضعیفہ کو واپس کئے اور بقیہ بھیس روپیہ لے کر شوق ارادت میں یہ شعر پڑھتا ہوا تھرا ہوں سے روانہ ہوا۔

**جاتے ہیں اب تو کوئے بت لالہ فام کو
اپنا تو ہیں سلام ہے دار السلام کو**

لکھنو پہنچ کر میری یاد نے ملٹی کی کہ جائے بارہ بھکی کے فیض آبا کا گلکٹ خریدا یا اور چھبیسے شام کو وہاں پہنچا۔ شب کو سرائے میں قیام کیا۔ صبح کو بھیمارہ سے جتنا بھاتی صاحب قبلہ کا پتہ پوچھا تو اس نے کہا وہ میرے بھی بھیر ہیں۔ آپ بہت آگے چلے آئے۔ وہ ملائی بارہ بھکی میں رہنے ہیں۔ میں اسی وقت فیض آباد سے بارہ بھکی واپس آیا یہاں تک بھی فوراً مل گیا جس نے آٹھویں صدی کا وہ راستہ تقریباً ایک گھنٹہ میں طے کیا اور ۲۸ ربیع الثانی ۱۳۱۳ ہجری عصر کے وقت کیہہ والے نے یہ مزدود ہٹالیا کہ دیوبنی شریف آ گیا۔ جب حلوم ہوا کہ منزل مخصوصو یہی ہے تو عرصہ سے جو دل شوق زیارت میں بے چین تھا انہا مسرور ہو گیا اور فوراً سرست سے یہ کیفیت ہوئی کہ بیساختہ زبان سے اکلا۔

**این مقام خوش کر می مخدوم نیم دمل یار
خیر دار حل فیہا الحیر از سب الدیار**

چونکہ میں ناواقف تھا اس لئے کیہہ والے نے رہنمائی کی اور آبادی میں جب پہنچا تو ہر چند بعض مکان خام اور خس پوش بھی نظر آئے جن کے دروازوں پر مویشی بند ہے تھے یا کاشتکاری کا سامان رکھا تھا لیکن اسی کے ساتھ ایسی عمارتیں بھی دیکھیں جن کی شان و رفتہ زبان حال سے باہر تھیں کہ ان کے لئے مقتدر اور خوشحال ہیں۔ مخصوصاً بعض آنحضرت تھے کہ یہ قصہ بہت قدیم ہے اور بھی اہل قصہ ہی جاہوالمی ثروت تھے جیسا کہ ایک بلند مقام پر ایتوں کا ذہیر اور شکر و یوار دیکھی جس کو کیا۔ والے سے دریافت گیا تو، حلوم ہوا کہ یہ عہد شاہی میں قلعہ تھا اور اسی کے مقابل پنجتہ اور بہت وسیع سرائے کا نشان بھی نظر آیا۔ البتہ قصہ کے باشندوں کو یا ہم گفتگو کرتے ہوئے تو راہیک صندل کی زبان سے بہت فرق پایا۔ مخصوصاً الجہ میں ہیس تفاوت تھا لیکن یہ کہوں گا کہ اور جو کی زبان زرم و شیریں، خوٹکوار اور دل آور بخوبی ہے۔

الغرض تھوڑی دور چلنے کے بعد جب یہ سعادت نصیب ہوئی کہ سرکار عالم پناہ کے

ور دو لست پر حاضر ہوا تو دیکھا کہ قدیم وضع کا ایک پختہ مکان ہے جس کی ساری میں ایسا لفڑ رہ پڑنے نظر آیا اور اس کی عظمت کا وہ اثر دل پر ہوا کہ لمبا ناشرب اگر یہ کہوں تو بے جانہ ہو گا۔

کامیاب سر خاک نہ گئی و در قدر

بِ كَلْمَهِ چَغْ كَاهِ سَمَهِ شَدَ

«پھل زمین پر بنا ہے مگر اس کی بلندی آسمان کے نکلوں کو چھوٹی ہے۔»

سامنے جا کر یہ بھی دیکھا کہ اس آستانہ والی کتاب صدر شرقی سمت متوسط پیانا کا
ٹھرا امتیازی مٹان رکھتا ہے اور اس کے آگے وہیں سجن ہے جس میں دروازہ کے شانی پبلو کے
قریب چاہ پختہ اور بنو ب کی طرف کمرہ جس کے آگے گئے سانبان اور اوپر بالاخانہ بہا اور اگر بعض
اشخاص اس کمرہ میں بیٹھتے ہیں تو بعض کسی ضرورت سے یا بخیال لفڑ طبع سجن میں کھڑے ہیں جن
میں دو تین آدمی تو خدمتی حلوم ہوتے تھے اور کچھ لوگ دیہانی طرز کی دھونی باندھے اور گرد پہنے
تھے جو شاید کاشکار یا زمیندار ہوں گے اور چند اشخاص کے مہذب لباس سے ظاہر ہوتا تھا کہ یہ
معزز و ممتاز افراد ہیں لیکن ان میں بھی یہ تفریق ضرور تھی کہ قدیم وضع کا لباس یعنی انگر کھا اور
پانچامہ اگر کسی کے زیر ب جسم تھا تو بعض شیر و اتنی اور تر کی نوپی پہنے تھے جن کی وضع یہ تھی تھی کہ یہ
مغربی تہذیب سے آگاہ ہیں اور مختلف مقامات کے باشندے ہیں۔

مجھے کو زیادہ تیرتے اس وقت ہوتی کہ اس مجمع کے بعض بزرگ صورت حضرات کا لباس
اپنی وضع میں بالکل جدا گانہ دیکھا کہ انہوں نے ایک عریض اور بلکل کپڑے کے نصف حصے سے
ستر پوچی کی تھی اور نصف حصہ اس کا بطور چادر کے اوزٹھے تھے اور نگکے سرا اور پابھ پہن ہونے کی وجہ
سے وہ زیندار سرپا آزاد اور تعلقات دنیا سے بے سروکار حلوم ہوتے تھے۔ میں نے ان بزرگوں
کے مقدمہ لباس اور مخصوص امتیاز سے یا اندازہ کیا کہ شاید حاجی صاحب قہدہ کے فقیر ہیں۔

غرض میری مادائیت گواہانت نہیں دیتی تھی مگر نکلتا ہوا جب قریب دروازہ کے پہنچا
تو جو لوگ دیاں موجود تھے وہ میری ابھی صورت اور میرا سافرانہ اسہاب دیکھ کر میری جانب
نمایا ہوئے۔ میں نے سلام کیا تو نہایت اخلاقی سے انہوں نے سلام کا جواب دیا اور محبت
آمیز لہجہ میں میری حاضری کا سبب دریافت کیا۔ میں نے بجلت میں اسی قدر کہا کہ قدم ہوئی
کو آیا ہوں۔

چنانچہ میری خواہش حلوم ہونے کے بعد ایک صاحب اس دروازہ کے اندر لگئے
اور چند منٹ میں واپس آ کر مجھ سے کہا کہ چلو تم کو بایا ہے۔ اس منتشر جملہ سے کہ ”چلو تم کو بایا

بے ایسی صرفت ہوئی کہ بے اختیار دل نے ایک کہا اور یقین ہو گیا کہ میری دری یہ آرزو آن پوری ہو کر رہے گی۔

جب ان کے ہمراہ چلا تو صدر دروازہ کے پہلے ایک ایسی صرفت ڈیوڑھی میں داخل ہوا جس میں ایک دروازہ درمیانی اور ایک آٹھ میں تھا۔ اس کے اندر گیا تو دیکھا کہ کشادھی کے جنوبی سمت کمرہ اور اس کے آٹھ نیٹی در کا دالان ہے جس میں زمین کے فرش پر نہایت نمادھ گفرانی ایجاد کیا گیا تھا اور اس کے ساتھ مقدمہ بزرگ رنگیں احرام باندھے رہنے افروز ہیں جن کا نورانی چہرہ اور پرستھوت آنکھیں دیکھ کر خود بخوبی دل کو یقین ہو گیا کہ

”خدانما بے خدا کی قسم بھی صرفت“

ہر چند رعب عظمت سے دل مرعوب تھا گر کشش حسن کا وہ گہرا اثر ہوا کہ پرانے وارس شیع جمال اپریوی کے قریب جا کر بکال اوب قد جو بوس ہوا۔ فرمایا ”کہاں سے آئے ہو؟“ میں نے دست بست عرض کیا کہ پھر ایوں شائع مراد آباد سے۔ ارشاد ہوا ”ہاں پھر ایوں امر وہ ہے جس کو سیاحی میں کوئی نہیں ہے۔“ میں نے عرض کیا کہ تھی ہاں اسی قدر ہے۔

پھر حضور نے ایک ضعیف تہبند پوش خادم سے مخاطب ہو کر فرمایا ”رجیم شاہ اس بھتی کے رہنے والے کسی سے نہیں ڈرتے“ اور مجھ سے ارشاد ہوا ”اچھا تھا۔ پھر ملتا تھا ہوئی“ اور دوسرے خادم سے یہ فرمایا کہ ”نیخو شاہ ان کو درگاہ میں پھر راؤ۔“

فیضو شاہ والاں سے باہر میرے ساتھ اس مقام تک آئے جہاں اپنا اسباب جھوڑ گیا تھا میں نے اس میں سے شیرشی اور عطر نکالا جو حسب ہدایت والد مر جوم لے گیا تھا اور وہ ناجائز ہے یہ حضور کے سامنے پیش کیا۔ جناب حضرت نے اس میں سے نصف لامہ و تناول فرمایا اور اپنا اش صرف لامہ و نجحہ کو مر جنت ہوا اور بقیہ حاضرین کو تقسیم کر دیئے گئے۔

پھر نیخو شاہ صاحب مجھ کو اس کا ان میں لائے جو درگاہ کے نام سے سوسم اور آستانہ وارثی سے تقریباً سو گز کے فاصلہ پر تھا۔ پور تھیت ایک خانقاہ تھی اور درگاہ کے نام سے اس لئے مشہور ہے کہ شاہ ولایت حضرت محمد عبدالحصیم قادری کی المعرفت قدس اللہ سرہ العزیز کا یہاں مزار اقدس ہے جس کے سجادہ نشین اس وقت شاہ فضل حسین صاحب تھے جن کو علاوہ اس شرف کے جناب حاجی صاحب قبید کی نعلیٰ اور خدمت کا مخصوص اعزاز بھی حاصل تھا۔

درگاہ میں اسباب رکھ چکا تو اس وقت فیضو شاہ صاحب سے اپنی ولی تمنا کا انہمار کیا

کہ حلقة نلامان وارثی میں واصل ہوا چاہتا ہوں۔ فیضوش شاہ صاحب پھر مجھ کو آستانہ وارثی پر واپس لائے اور جب والان کے قریب پہنچا تو سن اک سرکار عالم بناہ نے ایک خادم سے (جن کا نام بعد کو حلوم ہوا) کہ تااضنی بخشش ملی تھا افریما کہ ”یہ خانصا صاحب تھجھرا یوں سے مرید ہونے آئے ہیں۔“ تااضنی صاحب نے مجھ کو دیکھ کر عرض کیا کہ مجھے وہ خود آگئے اور ادھر فیضوش شاہ نے دریافتی لہجے میں عرض کیا ”تجھو ری مرید ہونے کو کہت ہیں۔“ اس رہنمائے کامل نے یہ بندہ نوازی فرمائی کہ اسی وقت میری تصحیر کی اور ارشاد ہوا:

”کہو ما تجھ پکڑنا ہوں بیکار، پیختن پاک کا، خدا رسول کا، اَسْتَغْفِرُ اللَّهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ حَطَّيْةً وَأَتُوْبُ إِلَيْهِ“

میں نے حرف بحرف ہر جملہ کا اعادہ کیا۔ بعد ارشاد ہوا ”جاوہر و مرید ہو گئے۔“ میں قدہ بوس ہو کر پھر درگاہ میں آیا اور اپنے بستر پر لیٹ رہا۔ مگر یہ جملہ ہوا کہ حسب ہدایت والد مریوم مرید تو ہو گیا لیکن بیکار صاحب شاید بیعت لیتا ہیں جانتے کہ عام جلد میں مرید کیا۔ کیونکہ قبل اس کے دینگرینز رگوں کو نلوٹت میں مرید کرتے دیکھا تھا اور اسی کو میں صحیح طریقہ بیعت جانتا تھا۔

میں اس توہم میں بنتا تھا کہ اگاہ شاہ فضل حسین صاحب نے (جو روشن نور کے چہوڑہ پر ایک مولوی صاحب سے ہاتھی کر رہے تھے) مجھ کو پکارا میں نورا حاضر ہوا تو صاحب مددوں نے ماصحانہ لہجے میں فرمایا:

”خان صاحب تم نے فتحی دیکھے نہیں ہیں۔ البتہ تمہارے والد جانتے تھے جو تم کو یہاں بھیج گئے۔ خان صاحب یہاں اصل فقیری ہے اور صحیح طریقہ بیعت بھی یہی ہے۔“

موصوف الصدر کی اس تصریح کا میرے دل پر گہر اثر ہوا اور دعشاوہ خداشت باطل۔ میرے قلب سے رفع ہو گئے اور اب یہ خیال ہوا کہ جب یہاں کے مرید کا یہ حال ہے کہ میرے خواطر پر مطلع ہو کر آن واحد میں تخفیہ بالطفی کیا تو پھر کی کیا شان ہو گئی اور اپنے نلاموں کی اصلاح وہ کس خوبی سے کرتے ہوں گے۔ واقعی فضل الہی شامل حال تھا کہ مجھ پر گناہ کو ایسے حقائق آگاہ کی غلامی کا شرف حاصل ہوا۔ جو درحقیقت فتحیہ اکمل اور مرشد لانا تی ہے۔ بلکہ دم ہوا کہ جب میرے مانی الصدر سے اسی طرح بلکہ اس سے بہت زیادہ ثہوار ہیں تو

ع اب مدد کرنے کی کوئی صورت نہیں رہی

بلکہ مجھ کو تصحیر دیکھ کر شاہ صاحب نے فرمایا کہ خان صاحب تم نے جو خواب دیکھا تھا

وہ صانپ سمجھا رے خیالات ہیں اور چاقو ہماری یہ تھیجت ہے۔ جس کریمہرا خیال اور پنچھے ہو گیا کہ لاریب یہ بڑی جگہ ہے اور اس بارگاہ نامی کے خلام ایسا بلند مرتبہ رکھتے ہیں کہ جب ارادت کا صرف خیال تھا۔ اس وقت سے یہ لوگ میرے مدد و معاون ہیں لیکن افسوس میری ادائی کا یہ تیجہ ہے کہ اس وہم باطل نے اپنا ذینب کیا کہ جس کی وجہ اب نامکن حلوم ہوتی ہے۔

چنانچہ شوالیت سے سر جھکا لیا اور شاہ صاحب کے سامنے سے شرم دہ ہو گرا پس بستر پر آیا۔ ہر چند شوق زیارت نے بار بار تحریک کی مگر وفورِ ذات سے چیلھوائے برق کے حضور میں حاضر ہونے کی جرأت نہ ہوئی اور شام تک یہ حالت رہی کہ جب اپنا قصور پیدا آیا تو معلوم ہوا اور ان کی کریمانہ بخشش کا خیال ہوا تو عظیم میر کی امید میں پرنس کرتا تھا۔

اے شہنشاہ بلندہ اختر خدا را ہستے

ناظم پھجو گردون خاک ایمان شا

اے عظیم شہنشاہ خدا کیلئے مجھے ہمت دے تاکہ میں تمہاری دلیز کی اس خاک کو بوس دے سکوں جو عظمت میں آسان کی برادری کرتی ہے۔

قریب مغرب پھر صاحب مدد و حصر نے فرمایا کہ خان صاحب تم سرکار میں کیوں نہیں گئے۔ میں نے عرض کیا کہ اپنے خیال فاسد کی وجہ سے خاکف اور مادم ہوں اور اپنی مذہوم غلطی کے باعث سمجھتا ہوں کہ اس پاک اور مقدس ذات کے سامنے جانے کے لائق نہیں رہا۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ خان صاحب میوس نہ ہو۔ ہم لوگ ذرہ صفت اور وہ بہ عظمت اور آفتاب منزلت ہیں۔ ہم کو مکمل نالاب کے بھجو جو تھوڑے پانی میں اعلیٰ پڑتے ہیں۔ ان کو بخوبی کنار جانو۔ ہم خطاط شاعر ہمیشہ ہافرمانی کرتے ہیں مگر وہ اپنی مہربانی سے درگز رفرما تے ہیں۔ تمہاری غلطی کا واثق تمہارے اس آب ذات نے دھو دیا۔ اب نہ ذرہ۔ جاؤ اور خود جاؤ اور مھمن رہو۔ امید ہے کہ وہ پندرہ نواز ضرور تمہارا قصور لظر انداز فرمائیں گے۔

مجھ کو اپنے شنیق ناس کے اس ارشاد سے یہ بہت بندھی کہ لرزائ وہ سان آستانہ وارثی پر حاضر ہوا اور قصور واللام کی حیثیت سے قدبوی کی۔ اس وقت جناب حضرت نے یہ شان محبوبیت دکھانی کے مخصوص بیوں سے فرمایا۔ ”صحیح کو چلے جانا۔“ میں نے بکمال ادب پر عرض کیا کہ ابھی جانے کو دل نہیں چاہتا آئندہ جو حکم ہو۔ حضور خاموش ہو گئے اور پھر پانچ روز تک آستانہ اقدس پر حاضر رہا۔

جب حضور نے رخصت فرمایا تو ارشاد ہوا کہ "شوال میں شاہ ولایت کے عرصے میں آماں پھوس کیا اس عرصے میں مجھ کو یہ حلوم ہو چکا تھا کہ میلہ کا تک جو سر کار نام پناہ کے حکم سے تمام ہوا ہے اس کو صرف پندرہ روز باتی ہیں اور شوق کا تماشہ تھا کہ جلد حاضر ہوں۔ اسی واسطے و مت بدست عرضی کیا کہ حضور تھا یہ ہے کہ اس خلام کو میلہ میں طلب فرمائیے۔ جناب حضرت نے شاید میری مالی حالت کے لحاظ سے پھر وہی فرمایا کہ "شوال کے عرصے میں آماں" اور میری زبان سے اضطراری حالت میں پھر وہی لگل گیا کہ بندہ نواز اس خلام کو میلہ میں طلب فرمائیے۔ چنانچہ اس مرتبہ اس جامع حلم و کرم نے عجیب شان سے مکرا کے پیغامیا کہ "اچھا جاؤ" اپنے درمیلہ میں آماں۔ میں قدم بوس ہو گر ۳ جمادی الاول کو پھرایوں واپس آیا اور اسی روز سے دوسرے سفر کے لئے انتقام کرنے لگا۔ ہر وقت یہی خیال تھا کہ اس جمال جہاں آ را کی وجہ کب نصیب ہو۔ خصوصاً جب دو تین دن روائی کے باقی رہے تو اضطراب کی یہ حالت تھی کہ ایک ساعت ایک دن اور ایک دن ایک سال حلم ہونے لگا۔ بقول

**ما تم این ہفتہ شدزادہ ڈھکم سایہت
حال ہجران تو چہ دافی کہ چہ مشکل حایہت**

مجھے اس کے شہر سے آئے ایک ہفتہ ہوا اور آنکھوں کو سال محسوس ہوا۔ اس ہجر کا حال تم کیا جانو گے کہ یہ کس قدر رکھن ہوتا ہے۔ مجھے

آفرید دن بھی آگیا کہ معمولی اسباب لیکر پھرایوں سے روانہ ہوا اور ۳ جمادی الاول ۱۴۱۳ ہجری کو جو انتقام میلہ کی تاریخ تھی دیوبنی شریف پہنچ گیا اور بعد حصول سعادت قدیمی مجھ کو حکم ہوا کہ "درگاہ میں قیام کرو۔" کیونکہ پا امر خصوصیات عادات میں ہے کہ حضور نے وضعداری کا لحاظ بھیش فرمایا جس کا ذکر آپ کے ملفوظات میں بوضاحت مذکول ہے اور چونکہ مزان جمایوں کا انداز یہی تھا اس لئے غالباً کوئی ممتاز وضعداری کی ہدایت ہوئی۔ بلکہ جس نے کسی امر میں اگر پابندی کی تو اس سے آپ خوش بھی ہوئے اور اس کو وضعدار کا خطاب بھی مرحت ہوا اور شودتہ وضعداری کو اس درجہ پر نہ فرمایا تھا کہ اگر کوئی معمولی بات بھی بھی وقوع پذیر ہوئی تو اس کے لئے یہ انتقام ہوتا کہ آئندہ جب اس کا موقع آیا تو اس کو اسی صورت سے کیا جاتا تھا جس مشکل سے وہ ابتداء میں ہو چکی ہے مثلاً کسی شہر یا قصبے میں جس کے نکان پر آپ پہلی مرتب قیام پذیر ہوئے پھر بھیش کے واسطے یہ دستور ہو گیا کہ جب وہاں تشریف لے گئے تو اس کے مہمان ہوئے۔ بلکہ دیبات کی سیاحت میں یہ دیکھا ہے کہ کسی درخت کے سایہ میں بھی

قیام یا استحتجہ کیا یا کسی کتوں کا پانی نوش فرمایا تو جب اس راستے سے گذر ہوا تو اسی درخت کے سایہ میں ضرور تھہرے۔ یا استحتجہ کیا۔ لیا اس کتوں کا پانی قلیل ہی۔ کسی مگر نوش فرمایا لازمی تھا لیا جس کسی کے ساتھ جو مراغات ایک مرتبہ کی گئی وہ بیش اس موقع پر کی جاتی تھی۔ علی ہذا آستانہ اقدس پر جو مہمان آیا اور جس کے قیام کے واسطے بوجگہ بیلی مرتبہ تجویز ہوتی تھی۔ پھر بیش اس مہمان کا قیام اسی مکان میں ہوتا تھا۔ لہذا پہلی مرتبہ چونکہ میں درگاہ میں رہا تھا اس اخبار سے میرا تحقیق ہو گیا کہ جب حاضر ہوں تو درگاہ میں رہوں۔ چنانچہ حسب الحکم درگاہ میں بستر لگایا اور دیکھا کہ بعض اخوان ملت مجھ سے پہلے آچکے ہیں اور بعض میرے بعد آئے۔ حتیٰ کہ میلہ بھر گیا اور ہر طبقہ کے لوگ ۱۵۱۵ تاریخ تک جمع ہو گئے جن میں کاشکار اور اولیٰ درجہ کے زیندار بھی تھا اور رئیس اور تعلقدار بھی فقیر و درویش بھی، عالم و فاضل بھی، وکیل و پیر سر بھی، اہل علم بھی، ذپی اور سب بچ بھی۔ غرض امیر و خرید بھی۔ اولیٰ والی جو حق در جو حق اطراف و جواب سے آئے اور آستانہ وارثی پر ان مختلف ذوق والوں کا ایک مقام پر اور باہمی اتحاد کے ساتھ بغیر کسی امتیاز کے ریا یا مخصوص جمیع تھا کہ رنگارنگ پھولوں کا گلدستہ حلوم ہوتا تھا۔

قریبہ ہے کہ جس طرح اس مجمع کے ہر فرد کی ظاہری وجاہت اور حیثیت جدا گانہ تھی اسی طرح ان کی وارداۃ اور استعداد بھی بغیر مختلف ہوئی۔ لیکن تعجب یہ ہے کہ باوجود اس اختلاف طبائع کے ایک خیال میں یہ پار مجمع ایسا متحد تھا جس کی ظہیر ملنا دشوار بلکہ قریب محال کے ہے کہ ہر شخص دنیاوی اغراض سے قطعی محض را اور فی الحال وارثی کا پرانہ تھا اور یہ تن کو شناس تھا کہ کوئی خدمت میں ایسی کروں جس سے حضور مصطفیٰ ہوں۔

چونکہ قبل اس کے میں نے دیکھا تھا کہ کسی بزرگ کے چند مرید اس کے کاپے شیفتہ ہوں اور بغیر کسی غرض کے اس کی ایسی خدمت اور لمحوئی کریں کہ ان کی حیثیت سے بہت زیادہ ہو بلکہ سنبھلی رہ تھا کہ فلاں سیر کے تمامی علقوں گوش اس کے فریفہ ہیں اور صرف خوشنودی میزان سب کا نصب ایسی ہے اس واسطے خلامان وارثی کی پیغمبربیت دیکھ کر مجھ کو جیسے ہوئی اور اس نثارہ سے میرے فہم و ادراک میں اس قدر اہتزاز بھی ہوا کہ سکون قلب میں گونہ اشتعال اور طبیعت میں خود رکنی کے آثار لیاں ہوئے لگے۔ مگر شوق میں یک سوتی خود پیدا ہو گئی کہ بجز جمال وارثی کوئی دوسری صورت تکمیل بخش اور دل آویز نہ رہی۔ بتول:

بختِ خواب آلوں ما بیدار خوابہ شد مگر

زانکہ زوب دیدہ آبے روئے رذشان شا

﴿میرے سوئے ہو بھاگ جاگ اسے مگر اس طرح کہ میں نے ذہن مائی ہوئی آنکھوں آپ
کے پھرے کی چمک دیکھی۔﴾

اور دل میں خواہش یہ پیدا ہوئی کہ اپنے یوسف جمال پیشوں کے جان ثارنلامان میں
اگر میرا بھی شمار ہو جائے تو بیڑا اپا رہے۔ ہر چند عاشقان سرفروش کی مثل بے خود و مدد ہوش ہو جاتا تو
مجھا فردوں کے لئے ممکن و محال ہے لیکن درود لست کا جارہ بکش بھی ہو جاؤں تو یہ موقع ہاتھ
آئے کہ خاک پائے محبوب کو محل المصر بناؤں۔ قبول

گر دست دہ ناک کف پائے نگارم
ہ لوح بصر خط غبارے بنگارم

﴿اگر مجھے ان کے پاؤں کی تھوڑی ہی خاک میسر آجائے تو میں اسے آنکھوں سے لگاؤں اور
سر میں کی طرح دھار بنا لوں۔﴾

اس انتہا زکا ظاہری نتیجہ یہ ہوا کہ بعض حركات خلاف عادت ایسے بھی سرزد ہوئے کہ
جن کے موقع سے خود مجھ کو شرم و نداشت ہوتی تھی لیکن اسی کے ساتھ یہ یگفیت ہو گئی کہ جس جیز کو
حضور کے ساتھ منسوب پایا اس سے دل بستگی ہوتی تھی۔ چنانچہ ۱۵ ائمہؑ کو میلد و یکھنے شاہزادیں
گیا یہ مقام آستانہ وارثی سے قریب و فرلانگ کے ہے۔ علاوه وہ گرتباشون کے وہاں یہ کرشمہ
بھی دیکھا کر ایک ارادتمند حضور کی خدمت میں تہبینہ پیش کرنے جاتا ہے۔ مگر شان یہ ہے کہ باہم
اور قوامی کے علاوہ ہزاروں آدمیوں کا مجمع بھی ہمراہ ہے۔ چونکہ اس مجمع کو حضور سے خاص نسبت
تحمی اللہ ابھی دیکھ پہلے حلوم ہوا اور تہبینہ کے ساتھ جب قریب آستانہ اقدس پہنچا تو دفعائی
ہوش آیا کہ تم سرفروش غلاموں کے دوش بدوش رہنے کے مختین بھی ہو اور بمحاذہ شرب اس کا بھی
دعویٰ ہے کہ۔

من قبلہ راست کردم بر سمت خوش ادائی
عراں سرے چو ماہ و شوئے بر بہد پائی

﴿میں نے محبوب کی طرف قبلہ درست کر لیا ہے اور میر انگا سرچاند کی طرح ہجاو میں نگھاں
چلتا ہوں۔﴾

لیکن یہیں سوچتا کہ ارض پاک پر جو تا پہن کر چلنا اور پیشوں کے رحم کے حضور میں
نوپی پہن کر جاما صریح بجاوی اور بہت براقصور ہے۔

چونکہ انفال وارثی شامل حال تھا۔ میرا یہ ذیال پختہ ہو گیا اور اسی وقت جو تا بھی دیں

چھوڑ دیا اور تو پی بھی پھینک دی اور اس مجع کے ہمراہ سرکار عالم پناہ کے حضور میں حاضر ہوا اور جب وہ تہبند پیش ہو گیا تو میں اسی بیان کی ذات سے درگاہ آیا۔ شاہ نفضل حسین صاحب سے اپنی انتشاری کیفیت اور اضطراری حالت بیان کی کہ اب انتظار کی طاقت نہیں۔ ولی تقریباً کلام بار بار یہی اصرار ہے۔

بَنْ بَنْكَ لِامْتَ زَجَابَ نَامُوس
لَكُويْ عَشْقَ بَرِيزَ آبَ روَيْ تَقْوَى رَا

(اپنی حضرت و ماموں کو ملامت کا پتھر مارو اور عشق کے کوچے میں اپنی پارہ ماتی پانی کی طرح بہاؤ۔)

اللہا حسب ہدایت والد مرحوم پہلے سے بھی مسحیم ارادہ تھا۔ لیکن آج مستعمل طور پر یہی تمنا ہے کہ سرکار عالم پناہ کا فقیر ہو جاؤں۔ گوئر کے لحاظ سے مجھ کو تحریر بہت کم ہے۔ مگر و زمرہ کے واقعات دلکش کر دیتا ہے ثابت اور تعلقات دنیا بیکار بیکد باعث آزار ہیں بقول

جَهَانَ وَكَارَ جَهَانَ جَمَدَ يَقِيْ درِيْجَ است
هزار مار من ایں نکایت کرده ام تحقیق

(میں نے ہزار مرتب تحقیق کی ہے کہ دنیا اور اس کے کام بے معنی ہیں۔)

شاہ صاحب موصوف نے فخر ملایا کہ ہنوز تھوڑا شباب ہے۔ تہبند پوش ہونے کا ارادہ نہ کرو لیکن جب میں نے اصرار کیا تو مددوح نے رحیم شاہ صاحب کو بلا کر کہا کہ یہ تہبند کے طلبگار ہیں۔ وہ سرکار میں گئے اور واپس آ کر کہا کہ حضور فرماتے ہیں کہ ”اُبھی نہیں یہ لڑکے ہیں۔“

یہ پنجمینہ کا واقعہ ہے کہ میری درخواست بارگاہ وارثی میں منتظر ہوئی تو مایوس ہوا لیکن اضطراب قلب سے تمام شب تقریباً کبھی والد مرحوم کی برزخ تمام ہو گئی تو ان سے عرض کیا کہ یہ عبودۃ نیل ہنوز آپ کی تعلیم نہ کر سکا۔ مجبور ہوں کہ سرکار عالم پناہ منتظر نہیں فرماتے اور بھی بکمال حضور اقدس سے رجوع کی۔

مُنْظَرُ اِرَادَةِ اَبِ اَمَّهُ نفس
اَنَّ فَرِيادَ تَوْ فَرِيادَ رَسِ

(میں سامنے منتظر ہوں اور میری جان بیوی پر بھائے فریاد سننے والے میری فریاد کن گے۔ با و شاہلا تو پنجیں پاک کایا رگا روتا تم مقام جہا اور وارث عالم تیرا مام ہے۔ تحریر۔

چشمہ فیض و انعام سے خاص و عام ہیش فائز المرام ہوئے لیکن افسوسی یہ نلام شومی قسم سے ہنوز محروم و ماتکام ہے بقول:

بہت شکر ب متان داد و چشمہ منے پر مخواران

تم کر عائیت حران نہ بازم نہ باشم

﴿اس نے مستوں کو شیرینی عطا کی اور مخواروں کو آنکھوں سے پلاوی مگر میں بد نصیب نہ ان میں اور نہ ان میں﴾

حتیٰ کہ جمع کاروں اسی حالت میں گزرا کر نگہ سر پا کر ہند پریشان پھرنا رہا۔ مگر آٹھ بجے شب کو بخت خواہید ہیمار ہوا کہ رحیم شاہ صاحب آئے اور شاہ نفضل شیخین صاحب سے کہا کہ بھائی وہ خانصاپ کہاں گئے۔ سرکاران کو بلا تے ہیں۔ اس وقت میں جنوبی والائی میں کسی کتاب کا مطالعہ کر رہا تھا کہ مژدہ شکر مسروہ ہو گیا اور دل میں کہا کہ بڑا خوش نصیب ہوں کہ میرے بندہ نواز نے مجھ کو یہ فرمایا۔ بقول:

شکر خدا کے از حد بخت کار ساز

بر حسب مدعاست ہے کاروبار دوست

﴿اللہ کا شکر ہے کہ اس کی مدد سے قسمت نے یا ورنی کی اور میرے دوست کے معاملات اس کی مرضی کے مقابلہ چل رہے ہیں۔﴾

اسی وقت شاہ نفضل شیخین صاحب نے مجھ کو بلا کفر فرمایا کہ تہبند لیکر جاؤ۔ میں فوراً تہبند معد لگوٹ اور رومال کے لیکر بارگاہ وارثی میں حاضر ہوا۔ ویکھا کہ کمرہ میں حضور کے پاس رحیم شاہ، نور محمد شاہ، تاشی بخشش علی، اور بارشاہ حسین خان حاضر ہیں۔ میں نے تہبند پیش کیا جاتا ہے والا نے وہ تہبند زیر بحث فرمایا اور اپنا مستعمل تہبند لگوٹ مجھ کو مر جست فرمایا کہ ”بندھلو“ اور نور محمد شاہ سے خطاب ہوا کہ ”آن کو لگوٹ کی گرد تارو“۔ چنانچہ جس وقت وہ لگوٹ اور تہبند باندھ کر قد ہوں ہوا تو ہبہت حق سے مجھ کو پسینہ آگیا۔ حضور نے قسم فرمایا اور بارشاہ ہوا کہ ”باشاہ حسین یہ فقیر کا بیٹا ہے۔ یہاں اگر ن آتے تو قیامت میں کچھ پھرتے آج سے اس کا نام او گھٹ شاہ ہے“ اور مجھ سے مطالب ہو کفر فرمایا۔ ”سوال نہ کر اور مونڈ ہے، کری، تخت اور پنگ پر نہ بیٹھنا اور پھرا بیوں میں اپنے باپ کی قبر پر رہنا اور کنیں نہ جانا۔ جب آؤ تو سیہیں آؤ۔ کسی کے مکان پر ہمیشہ نہ رہتا۔“۔ پھر رحیم شاہ سے مطالب ہو کفر فرمایا ”آن کو تعلیم کرو“۔ رحیم شاہ نے عرض کیا کہ میں اس لائق کہاں۔ تب حضور نے مجھ سے فرمایا ”جاو تم کو تعلیم کی ضرورت نہیں۔ تم فقیر

کے بیٹے ہوا اور اب ہمارے فقیر ہو گئے۔ اور پھر اسی جملہ کو با دشاد حسین خان سے بھی یوں فرمایا : ”فقیر کے بیٹے ہیں اور اب یہاں فقیر ہو گئے۔ ان کو زندگی تعلیم ضروری نہیں۔ ان سے خطابی نہ ہوگی۔“ اور مجھ سے ارشاد ہوا : ”جاوہ محبت رکھنا وہاں تو بہت مرد ہیں۔“ میں قد ہوں ہو کر درگاہ میں آیا تو مجھے تہبید پوش دیکھ کر شاہ نصلی حسین صاحب بہت خوش ہوئے۔

صحیح کو حاضر ہوا تو عرض کیا کہ والد کی قبر ایک غیر آباد مسجد کے احاطہ میں ہے جس میں جھرہ بھی نہیں۔ سرکار عالم پناہ نے فرمایا : ”کوئی رہے یا نہ رہے تم جا کر وہیں رہو اور وہی تمہارے لئے جھرہ ہے جس وقت جھرہ بن جائیگا، بن جائے گا۔ کوئی نہیں روک سکتا ہے اور بعد چند ساعت کے ارشاد ہوا : ”اب جاؤ۔ سیر کرو۔“

اس فرمان وارثی کے آخری حصہ کا مضمون میں یہ سمجھا کہ سیر کرنے سے تماشا دیکھنا مخصوص نہیں بلکہ مشاہداتِ ثالق نے حلوماتِ حاصل کرے چکا تھا اس روز میں نے یہی کام کیا کہ پہلے معمن فقرائے وارثی سے ملا اور گہرائی نظر سے ان کا طریق معاشرت دیکھا اور ان کے نساج گوش دل سے اور ان سے سرکار عالم پناہ کے وہ حالات و واقعاتِ حلوم ہوئے جو میرے واسطے مکمل و مستورِ حمل کا حکم رکھتے تھے۔

غلی ہڈا یہے اخوانِ ملت سے بھی ملاقات ہوتی ہے جن کو قدامت کا شرف حاصل تھا اور حاضرِ بیان تھے ان سے آستانہِ اللہ کے وہ تو اعدِ حلوم ہوئے جن کی تعییل حاضرین کو مفید اور لازمی تھی اور اوقاتِ حاضری اور خدامِ خاص کے نام بھی انہوں نے ہی تھائے اور انہیں نے خوشنوریِ مزاج کے ظاہری طریقے سمجھا ہے اور وہ امورِ جو شرپی لحاظ سے منوع تھے ان سے بھی آگاہ کیا۔

غرض اس جاولہِ خیالات سے مجھے کسی قد رشراہی، حلومات بھی ہو گئیں اور اس کا اندازہ تو انہوں نے بھی کہ طریق وارثی میں عشق اور شامان وارثی کا سرماہی رتصرف محبت ہے اور جملہ حلقہ گوش بقدرِ حیثیت و استعدادِ محبت کا جوش ضرور رکھتے ہیں اور ان کی ترتیبی ان کے خاص پنجم حصہ ہے بلکہ ان کے دریافت و عبادات بھی اصولاً محبت ہی سے مانو ہیں۔

الغرضِ سترِ دنارخ کا پورا دن بر اور ان طریقت کی ملاقات و صحبت میں گذر رہا۔ بعد مغرب دیکھا کہ با رگاہ وارثی میں غیر معمولی رہائی ہے اور مخصوص ارادتمندِ مجتمع ہیں۔ تجوہ عرصہ میں انہوں را پہنچنے اسی بستر پر پہنچ گئے اور آپ کے سامنے چند منٹ تو ای ہو کر حضرت سید نبراں علی شاہ صاحب قدس سرہ العزیز کا قتل ہوا اور ما بعد آنکھا زی چھوٹی جس کا مضموم یہ تھا کہ میلہ ختم

ہو گیا۔

رات کو میں درگاہ میں آ کر سورہ۔ صبح کو آستانہ اقدس پر حاضر ہوا تو روسرا منظر تھا کہ کوئی اپنا سباب باندھنے میں مصروف، کوئی سواری کیلئے کوشش۔ نہمان وارثی اپنے آنے والی صرفت سے رخصت ہو گر جو ق آر ہے ہیں اور آپس میں مل کر ایک دوسرے کو الوداع کہدا ہے ہیں۔

جی کہ مجھ کو بھی فوراً محمد شاہ خادم خاص نے رخصت کرایا۔ اس وقت ارشاد ہوا۔ ”ان کو کھڑا اوس کیلئے دام دیدو۔ خادم نے چار آنہ مجھ کو دیے۔ پھر فرمایا کہ رومال کیلئے بھی پیسے دیدو۔“ چنانچہ چار آنہ رومال کے واسطے بھی پائے۔ پھر ارشاد ہوا: ”محارے، کان سے ریل کتنی دور ہے؟“ میں نے عرض کیا کہ میں کوں اور اونٹ گازی سے جاتے ہیں فرمایا کہ ”اونٹ گازی کا کراچی بھی ان کو دے دو۔“ عرض نہ آنہ کراچی بھی مجھ کو مل گئے اور قدہ بوس ہو گر رخصت ہوا۔ مراد آباد میں آ کر رومال لے لیا اور کھڑا اوس بھی خرید کی لیکن کھانے کے واسطے ایک پیسہ بھی نہیں دیا گیا تھا۔ اس لئے تمیر افاقت تھا جب چھرایوں پہنچا اور بھو جب ہدایت سید حامی مسجد سراپ شاہ میں گیا۔ یہ مسجد بستی کے باہر اور شکستہ ہونے کی وجہ سے غیر آباد تھی جس کے افتادہ حصاء میں دروازہ بھی نہ تھا۔ صبح میں بکثرت گھاس اور خود رورخت تھا اس ٹوپ سے نہ کوئی اس میں نماز پڑھتا تھا، نہ اذان ہوتی تھی۔ مگر میں نے جا گر پہلا کام بھی کیا کہ اذان دی اور خس و خاشاک صاف کرنا شروع کر دیا۔

یہاں ایک خدش یہ ہو سکتا ہے کہ ہمارے وارث وارین نے رومال اور کھڑا اوس کی خریداری اور اونٹ گازی کے کراچی کے واسطے تو ایک روپیہ سے زیادہ مرحمت فرمایا لیکن خور و نوش جوانان کی ضروری حاجت ہے۔ اس کے مصارف کیلئے ایک پیسہ بھی نہیں دیا۔ حالانکہ کھڑا اوس کا فوراً خرید کر چند اس ضروری نہیں مطلوم ہوتا۔ کچھ روز نگہ پاؤں پھر سکتا تھا۔ علی ہذا اونٹ گازی کا کراچی، اس کی بھی ایک فقیر کے واسطے حاجت یوں تھی کہ پہول چلتا۔ جیسا بعد میں بارہا ہوا۔ خصوصاً رومال جس کا ہوا اور نہ ہونا مساوی ہے لیکن بایں ہے ان غیر ضروری چیزوں کا خیال تو اس انتظام سے فرمایا۔ مگر کھانا جس کا انتظام لازمی تھا اور جس پر انسان کی زندگی کا دارودار ہے اس اہم حاجت کا لحاظ نہ کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمیں فاتحہ رامتہ میں اور چار فاقہ چھرایوں پہنچ کر مسلسل ہوئے۔ لہذا اگر یہ کہیں کہ ہبھا ایسا ہوا تو ہمارے عقائد کے مناسنی ہے اور اگر محمد اکھابا جائے تو باعتبار پشتیت ہم دریافت کریں کہ اس میں کیا مصلحت تھی۔

میرا خیال ہے کہ مصلحت و اربی سے کماحت آگاہ ہونا تو حال ہے لیکن بظاہر یہ حلوم ہوتا ہے کہ ہمارے شری و سورا تمہل میں پہلی اور لازمی شرط تو کل ہے اور ہر چند متکل کے جملے حاجات محوں بخدا ہوتے ہیں۔ مگر ظریف ناٹر سے دیکھا جائے تو حاجات کی بھی اقسام ہیں۔ بعض حاجاتیں ایسی ہیں جن کی انسان کو ضرورت تو ہوتی ہے لیکن فوراً ان کا سامان فراہم نہ ہونے سے م Fletcher ویقرار بھی نہیں ہوتا۔ البتہ رزق، حیات انسان کے واسطے ایسی مخصوص چیز ہے جس کی ہر بشر کو فزانہ حاجت ہوتی ہے اور یہ حاجت ایسی اہم اور خیالات کو منتشر اور متزلج کرنے والی ہے کہ جس کی تلاش میں اکثر غیر خدا کی بھی استعانت چاہتا ہے اور پھر اس اضطرار سے زبرد متخلجین میں اس کا شمار نہیں رہتا اور اگر فضل الہی شامل حال ہے کہ یہ حاجت پیش آنے پر پائے استقلال کو لغزش نہ ہوئی اور انسان صابر و تابع رہا تو وہی انسان درحقیقت انسان اور صاحب ایمان و ایقان ہے گیوں کہ حکم خداوندی "فتور کلرو ان کشم فتو میں" کی وجہ پر قبول کرتا ہے۔ اسی واسطے پیشوائے برحق نے اپنے فقراء تہبید پوش کو اصل توکل کی متواری ہدایت فرمائی ہے کہ اپنے پیغمبر کے واسطے کوئی انتظام نہ کرو۔ فحست رازق العبد پر راضی رہو۔ چنانچہ آپ کے ماقول خاتم میں ہے کہ فقراء کو حنفیوں نے بصراحت اس کی ہدایت فرمائی کہ بے طلب و غوت کا کھانا کھایا کرو جس کا ذکر آئندہ جا تفصیل آئے گا۔

چنانچہ معلم حقیق نے شخص اپنی شفقت سے روزاول وہی سبق مجھ کو دیا جو کتاب العشق والمحبت کا پہلا باب ہے اور جس کو یاد رکھنا وہ جب اور تمام عمر جس کی قبول کرنا میرا فرض نہیں تھا۔ یعنی پیغمبر نے کے واسطے بھی کوئی چیز خرید نہ کروں اور چون کافاناون شرب میں یہ شرط قطعی تھی تو ہادی کامل نے میرے واسطے اپنے اس حکم خاص کا عمل درآمد اسی روز سے مناسب تجویر فرمایا جب تہبید ویکر مجھ کو دیوئی شریف سے رخصت کیا۔

لہذا میں اپنے آتائے مادر کے ہزار دریڑا راحلات میں سے پہلے اس احسان کا شکردا کرتا ہوں کہ ہادی کامل نے کیسے خوبصورت پیراپور میں سمجھا دیا کہ خور دنوں کا انتظام مشرب فقراء تہبید پوش کے منافی ہے۔ چنانچہ میرے رازق حقیق نے مجھ کو ہمیشہ دعوت کا کھانا کھایا اور اتفاق سے اگر دعوت نہیں ہوئی تو فنا تے اسیب ہوا جو اس کے مطبع قدرت میں بہت بڑی نعمت ہے اور الحمد للہ کہ آنکھ چولھا ہانے کی نوبت نہیں آئی اور اس کا بھی شکرگزار ہوں کہ پہلے میری دعوت اعزاء اور حباب نے نہیں کی بلکہ ایک غیر شخص کو اس کا خیال ہوا۔ باہ جو وہ ک خاص عزیز ہوں گو میرا فتحی ہو کر آنے حلوم ہوا مگر کھانا مجھ کو ایک جو لا ہے نے کھلایا اس سے یہ سبق

بھی حاصل ہوا کہ عزیزوں سے اعانت کا خیال صرخ دھوکا ہے۔
 اس کی تفصیل یہ ہے کہ چار روزے میں مسجد میں مضمون تھا اور اس درودان میں کسی سے
 ملا تھا اس وجہ سے نہیں ہوتی کہ وہاں کوئی آتا تھا اور نہ میں مسجد سے باہر گیا۔ ماتوں فاقہ تھا
 کہ عشرے کے وقت اذان کی آواز سن کر الہ بخش نور باف نماز پڑھنے آیا اور مجھ سے دریافت کیا کہ
 وہاں صاحب آپ کا نکان کہاں ہے؟ میں نے کہا: ”پورب میں“۔ لیکن بعد نماز کے جب اس
 نے بغور دیکھا تو غدر خواہ ہوا اور فوراً جا کر ماوس اشراقی صیمن صاحب سے میرا حال بیان کیا۔
 ماوس صاحب نے میرے سنجھے بھائی ڈاکٹر قمر الدین کو بھیجا جس وقت وہ مسجد میں آئے، میں
 احاطہ کی لگھاس صاف کر رہا تھا۔ بھائی صاحب نے کہا کہ یہ کیا صورت ہوتی ہے۔ اگر ایسی فقیری
 کراہ ہے تو پھر ایوں سے نکل جاؤ۔ پہلے تو میں خاموش رہا۔ جب پا اصرار جواب طلب کیا تو میں
 نے کہا کہ آپ تشریف لے جائیے۔ مجھے نہ عزت کا خیال ہے نہ ذات کا مال۔ بلکہ آپ سے
 بھی نہ کوئی واسطہ ہے نہ سروکار۔ الحمد للہ کر قید تعلقات سے رستگار ہو کر اب نگل ماوس سے
 کلیتہ دست بردار ہوں بتول:

ماوس چند سالہ امداد نیک ام در راه یام و ساقی مہرہ نہادہ ایم

میں نے اپنے آبا مکی نیک نامی یام اور غوبصورت ساقی کی تذکرہ دیتے ہیں۔
 بھائی صاحب نے فرمایا کہ تم کو شرم نہیں آتی۔ ماوس صاحب بلاستے ہیں لگر چلو۔
 آرام سے رہو۔ اس درودان مسجد کا قیام باعث تکفین بھی ہے اور نام بھی ہمام ہو گا۔ میں نے
 کہا کہ بھائی میرے واسطے شاہی سے بہتر اس کو چکی گدائی ہے جب تکفین و راحت کا احساس
 نہیں تو پھر نہ آپ کی شخصیت کا پاس بجاورنہ ماوس صاحب کی ژروت سے فائدہ اٹھانے کا
 ارادہ ہے۔ ہر چند کہ مجھ کو فخر کا درجہ نہیں ہے، نہ متکل ہوئے کامدی ہوں۔ البتہ اس بخت میں یہ
 انقلاب ضرور ہوا کہ پہلے بد رالدین نام تھا اور اب بارگاہ وارثی سے اوگھٹ شاہ خطاب ملا۔ لہذا
 معاف فرمائیے کہ ماوس صاحب کا بھروسہ اس مقدس فرقہ کے خلاف ہے۔ بتول

گرچہ گرد آلو فقرم شرم باو از یتم

گرما ب پشہ خوشید رامن ترکم

ملکه دارم از کدا نے گنج سلطانی ہست

کے طعن در گردش گردون رون پر درکم

﴿اگرچہ میر اگر آلو فقر باعث نداشت ہے اور اس وجہ سے بہت نہیں ہوتی کہ میں آنکھ کے پیشے سے اپنا دامن ترکروں۔ میں سلطانی خزانوں کا گداگر ہوں تو پھر قصر دنیا کا لالج کیوں کروں﴾

بھائی صاحب نے جب یہ الفاظ دیکھی تو مجھوں ہو کروا پس گئے اور راست کو اسی تور باف نے میرے دعوت کی اور پھر یہ سلسلہ ایسا جاری ہوا کہ ہفتہ میں شاید روزِ غافل ہوتا ہو ورنہ پانچ روزِ غفران دعوت ہونے لگی اور اس ویان مسجد میں رازق العباد نے میری پروردش کا یہ سامان کیا کہ لوگ میری حاشی میں آتے اور باصرار تمام اپنے بکان پر لے جاتے اور کھانا کھلاتے۔ بقول

بے سکس ہرگز نمادِ محبوتوں

رزق را روزی رسماں پر میدہد

﴿کڑی مکھی سے کبھی خانی نہیں رہتی اس رازقِ حقیقی نے رزق کو پر لگادیے ہیں﴾
لیکن جب سے میرا قیامِ مسجد میں ہوا اور پانچوں وقتِ اذان ہونے لگی اور وضو کیلئے پانی بھر دیا کرنا تھا اور خس و خاشاک سے صحن اور احاطہ بھی پاک ہو گیا تو بعض وقت وہ جو لا بے جو مسجد کے قریب رہت تھا آنے لگے۔ مگر میں نے یہ دش اختیار کی کہ بستی میں کسی سے ملنے نہیں چاہتا تھا۔ بلکہ زیادہ وقتِ مسجد کی خدمت یا احاطہ کی درستی میں صرف کرتا۔ اگر بہت دل گھبراتا تو بیتل کی طرف سے چھاندے ہیں اور لطیف شاہ اور چنگیز ایم کے مزار پر گیا۔ یا حضرت شاہ ولایت کے آستانہ پر حاضر ہوا اور پھر اسی طرف سے مسجد میں واپس آیا اور شب کو جنوہی در کے سامنے سور ہتا تھا۔

اسی طرح سے جب پانچ ماہ سے زیادہ گذر گئے اور حضرت شاہ ولایت کے مرس کا زمانہ قریب آیا تو میں نے چھرا بیوں سے خدا کے بھروسہ پر پیدل سفر کیا۔ بقول

امام بد رفق را کن اے طاڑ قدس

کے دراز است رہ مقصد و من تو سرم

﴿اے پاکیزہ پرندے بہت کوپنارا اور ہنالے کیونکہ تیری منزل وہر بے اور تو سفر میں ہے﴾
اور بعد قطع منازل ۲۷ اشوال ۱۳۱۶ ہجری کو دیوبنی شریف پہنچا۔ پہلے آستانہ وارثی پر حاضر ہو کر قدہ بوس ہوا اور حسب دستور جناب حنفی وہی فرمایا کہ درگاہ میں قیام کرو۔ پونکہ واقف ہو چکا تھا اس لئے بغیر کسی کی رہنمائی کے میں درگاہ میں آیا اور شاہ فضل حسین صاحب سے

مل۔ شاہ صاحب نے کمال شفقت مجھ کو مہمان کیا۔

چونکہ شاہ صاحب رئیس اور قطبہ کے نبیر دار تھا اور آپ اپنی جانیدا وزیر اعظمی داری آپ کے پیش میں تھی۔ اس لحاظ سے موصوف ذمی وجاہت اور سر بر آور وہ شخص تھا اور یوں تو عموماً ہماریکے کام شاندار ہوتا تھا لیکن عرس حضرت شاہ ولادیت صاحب بیوی آپ نے بہت کشاورہ پیشانی سے کیا۔ جس میں باور پیجی خاتہ کا انتظام بہت وسیع پیانہ پر ہوتا تھا۔ عما وہ ان کے مہمانوں کے آستانہ وارثی کے بھی جملہ مہمان نا انتظام عرس انجیس کے مہمان ہوتے تھے۔ قطع نظر اس کے رفاقتی اور سبز و روپی آزاد فقراء کی کثیر جماعت آتی تھی جس کے ہر فرد کو حسب دستور دوکھانے روز مرہ دیتے جاتے تھے اور جملہ دوکانداروں کو کھانا ملتا تھا اور بطور تبرک بحقی کے تمام مسلمانوں کو سچھری تقسیم ہوتی تھی اور بعد پانچ روز کی مہمنانداری کے ۱۶ نارنگ کو جمندارے کی ایک تقریب ایسی معین ہے جس کا صرف بھی کم نہیں۔ ہر چند یہ جمندار انجیس آزاد فقراء کے لئے ہوتا ہے۔ مگر یہ دیکھا کر حسب مدارج ان کے حصوں کی تعداد بھی معین تھی۔ کسی کو وہ کسی کو پانچ کھانے دینے جاتے تھے۔ علی ہذا قوال بھی زیادہ آتے تھے اور ان کا بھی بجائے خروائیک معمول غریب تھا۔

حالانکہ بلاہر شرکت عرس کے لئے حاضر ہوا تھا مگر مقصود میر اصرف حضرت والدہ پاک کی زیارت تھی اور وہ نصیب ہوئی۔ بلکہ اس موقع پر بعض ایسے انخوان ملت سے بھی مانفات ہو گئی جن سے پہلے نہیں ملا تھا اور یہ توروز دیکھتا تھا کہ بلا قید نہ ہب پر وانہ وار لوگ آتے تھے اور حلقة نمائی میں واڑل ہوتے تھے اور انکی استعداد کے لحاظ سے ان کو ہدایت بھی ہوتی۔ اگر کسی کو پیشوائے برحق نے ذکرہ شغل کا کوئی تابعہ، تعلیم فرمایا تو کسی کو حفظ اوقات کی ناکید ہوئی۔ کسی کو گوشہ نشین کیا، کوئی سیاحت عرب کے لئے بھیجا گیا لیکن محبت کی ہدایت ہر فرد کو ضرور ہوئی تھی۔

جب عرس فتح ہوا تو حضور نے ہاشمی کو مجھے بھی رخصت فرمایا اور ارشاد ہوا کہ ”میلہ میں آما“ میں دیوبنی شریف سے پھرایوں آیا اور بدستور سابق مسجد میں قیام کیا اور چھ ماہ کے بعد بغرض شرکت میلہ کا تک پھرایوں سے پیا وہ پا چل کر ۱۳۱۵ھ کو دیوبنی شریف حاضر ہوا۔

اس مرتبہ ایک گر شمہری دیکھا کر بعض حلقة گوش ایسے بھی آئے تھے جن کا ظاہری نہ ہب عیسوی تھا اور بعض یہ ہوئی بھی نظر آئے۔ بلکہ ایک آتش پرست مسمی دوسما بھائی بھی اسی زمانہ وارثی دیکھائی دیا لیکن اصولاً سب کا شرب چوں کر نہیں محبت تھا اسلئے بھی اتحاد میں کوئی تفریق نہ تھی۔ جس طرح مسلمان مخوّل تارہ جمال وارثی تھے اسی طرح ہندو،

بیوائی، بیووگی، پارسی پروانہ صفت اس شمع بزمِ احمدیت پر ثنا ہوتے تھے۔ بقول:

مسلمان و ہندو و ترک و گجر
ز ناک درت جملہ افر کھد
پو کافور و حندل ازان ناک پاک
چشم اندر آرد و بہ سر کھد

(جب اس کے در پر پہنچ تو مسلمان اور بہت پرست بلا اشیا زناوڑے گئے اور مقام پا گئے جس اس مقدسی خاک سے کافور اور حندل خوشبو تھی ہے اور آنکھوں سے ہو گردنی میں اتر جاتی ہے۔) اور پہنچوائے مر جن کی عنایت سب کے حال پر یکساں تھی۔ اس طبیب بالطفی نے جس کے مرغ کے مناسب ہونے تجویز فرمایا۔ وہ اس کو تفویض ہوا۔ چنانچہ میرے حق میں ۱۸ اکتوبر کو سرکار عالم پناہ نے یا ارشاد فرمایا۔ ”تم پچھرا یوں نہ جاؤ۔ بلکہ انا وہ میں جا کر دریا کے کنارے رہو۔ تمہارے پاس کسی کی ذاکر نہیں ہے۔“ میں نے وہستہ عرض کیا کہ نیام کو کیا نذر ہے جو حکم ہو۔ لیکن پھر مصلحت والی نے انا وہ کا قیام کسی وجہ سے مناسب نہ جانا اور ۱۸ اکتوبر کو یہ فرمایا کہ مجھ کو رخصت کر دیا گے۔ ”تم پچھرا یوں جاؤ تمہارے باپ فقیر تھے۔ انھیں کی قبر پر رہو۔“

چنانچہ میں قد بوس ہو کر پچھرا یوں واپس آیا اور پھر شوال ۱۳۱۵ ہجری میں پہستور حضرت شاہ ولایت کے عرس میں حاضر ہوا اور شوال کو واپس آیا۔ بعدہ ۱۳۱۶ ہجری میں جمیلہ کا نک میں جب حاضری ہوئی تو علاوہ دیگر مشاہدات کے چند ضروری ہدایات سے مستفیض فرمایا کہ حضور نے ۱۸ اکتوبر کو رخصت فرمایا۔

لیکن پچھرا یوں آ کر ایک ضرورت حاضری کی پیش آئی اور خلاف دستور ۲۵ جمادی الاول ۱۳۱۶ ہجری کو پچھرا یوں سے بیویل روانہ ہوا اور شاہجہان پور میں آ کر علوم ہوا کہ سرکار عالم پناہ ہو وضع بابو پور ملک سینتا پور میں رونق افزوزیں۔ میں وہیں حاضر ہوا اور پانچ روز حضور نے وہاں قیام فرمایا۔ اسی روزان میں ایک شب مجھ کو اپنی حالت پر افسوس ہوا اور وہ کمر مرض کرنے لگا۔

گدائے کوئے شامیم و حاجتے داریم
رو اندوار کے محروم از آستانہ داریم

(میں تمہارے در کا گدا ہوں اور حاجت مند بھی ہیسری مدد کرتا گے میں مایوس نہ ہوں) صحیح کوقد بوسی کیلئے حاضر ہوا تو فرمایا کہ تم کیا کرتے ہو؟ عرض کیا کہ حضور کا مام پا گے

وردمیں ہے۔ ارشاد ہوا کہ آج سے یہ ذکر کیا کرو جو تم بتاتے ہیں اور اس کا تابع ہو، مع اشارة
وغیرہ کے تعلیم فرمایا۔

بایو پور سے جناب حضور موضع کہرا میں باشا شاہ سین خان صاحب تعلقدار کے کان
پر تشریف لائے۔ میں بھی ہمراہ رکاب تھا اور بھائی نعمت علی شاہ اور بھائی احمد شاہ بھی اس سفر میں
ساتھ تھے۔ ووپیر کے وقت سرکار عالم پناہ نے بھائی احمد شاہ سے فرمایا "تم دار جنگ میں
جا کر جنگل میں رہو اور مجھ سے یہ ارشاد ہوا۔" تم نیپال کے پہاڑ پر جاؤ ہاں تمہارے اور بھائی بھی
ملیں گے اور رجب کے یہاں سے تمہارے پاس وال اور چاول آئیں گے اور پھر کے اوپر پھر رکھ
کر عارضی کمر بنالیما۔"

یہ حکم پا کر ہم دونوں قدم بوس ہو کر رخصت ہوئے۔ ہنوز بھتی سے قبر بیا وہ فرلانگ
باہر گئے ہوں گے کہ ایک شخص روزتاہوا آیا اور کہا کہ حضور یا فرماتے ہیں۔ یہ فرمان مراجعت
پہنچا تو واپس آئے۔ ارشاد ہوا "کھانا کھا چکے ہو یا نہیں" عرض کیا گے ابھی
نہیں فرمایا "کھانا کھا لو۔" ہم دونوں کھانا کھا کر پھر حاضر خدمت ہوئے۔ اس وقت
ارشاد ہوا کہ "کل جامانہ ہو۔"

صحیح کونور محمد شاہ خادم خاص نے چھروپیا اور ایک تھان سفید میں سکھ کا مجھ کو دیا۔ میں
نے پوچھا یہ کس واسطے ہے تو انہوں نے کہا کہ میں کیا جانوں جاؤ کر سرکار سے دریافت کرو۔ میں
اسی وقت حاضر خدمت ہوا اور کونور محمد شاہ کا عظیمہ جناب والا کے حضور میں رکھ دیا۔ سرکار عالم پناہ
بیٹھ گئے اور فرمایا "کیا ہے؟" میں نے عرض کیا "یہ چیزیں کیوں مرحمت ہوئی ہیں؟" ارشاد
ہوا "یہ پھر ایوں تک کا کرایہ ہے۔" عرض کیا کہ کراچی چھروپیا اور چھپیس ہے۔ "آپ نے
خادم سے فرمایا "چھ پیسے اور دو اور یہ سفید کپڑا ان کو نہیں دلوایا تھا۔" مگر تبینہ دو، خادم نے جب
چھ پیسے اور رنگیں تبینہ بھی مجھ کو دیا تو فرمایا کہ "تم پھر ایوں جاؤ اور کہیں نہ جانا۔" وہیں
رہنا۔ تمہارے باپ فقیر تھے اگر کبھی دل چاہے تو کسی فقیر سے مل آیا کرو یا کسی عرس میں چلے
جایا کرو۔" اسی عرصہ میں بھائی احمد شاہ حاضر ہوئے۔ ان کو وہی حکم ہوا کہ دار جنگ جاؤ اور ہم
دونوں کو رخصت فرمایا۔

بس وقت میں قدم بوس ہوا تو فرمایا کہ "تیلی بھیت ہو کر جانا" اور بھائی احمد شاہ سے
ارشاد ہوا کہ تم لکھنوار کر جانا۔" چنانچہ ہم ریلوے نیشن تک پہنچا رہا تو "حلوم ہوا کہ لکھنوار جانے
کی گاڑی پہلے جائے گی تو بھائی احمد شاہ صاحب اس پر سوار ہو گئے اور مجھے رات کی گاڑی ملی اور

صحح کوہلی بھیت پہنچا۔ مگر شب سے یہ خیال تھا کہ مشاہدہ پہلی بھیت کا حکم اس لئے صادر فرمایا ہے کہ میاں محمد شیر صاحب سے بھی ملتا جاؤں۔ اس واسطے پہلے میاں صاحب موصوف کی خدمت میں حاضر ہوا اور قریب ایک مسجد تھی اسی میں تھرا جس کے تجریہ میں ایک درویش رہت تھا ان سے حلوم ہوا کہ ان کو والد ماجد علیہ الرحمۃ نے یہاں بھیجا تھا۔ اس حافظے انجوں نے بہت عنایت کی اور بطور نصیحت اکثر اپنا تفہ معنوی بیان کئے اور یہ بھی کہا کہ تم کو جتنا بھائی صاحب قبلہ نے میرے واسطے یہاں بھیجا ہے۔

دوسرے روز پہلی بھیت سے بریلی اوروبائی سے چھڑا یوں آیا تو حلوم ہوا کہ اپنے بھر بھائی تھلب عالم صاحب سے والد مرحوم نے عالم رویا میں یہ فرمایا کہ بد رالدین سے کہہ دوہما را عرس کیا کرے اور اسی مضمون کا خواب والد ماجد کی ایک مریضہ نے بھی دیکھا ہے۔ اس مکر بذایت سے مجھ کو خیال ہوا کہ باوجود یہ کہیں متوکلانہ حجتیت بلاہر اس بار کی متحمل نہیں۔ لیکن حسب ارشاد اگر عرس نہ کروں گا تو والد کی ماخوذی کا باعث ہو گا۔ اس لئے بقدر ایکان کوشش کروں اگر خدا کو منکور ہو گا تو غائب سے سامان ہو جائے گا۔ بقول

ع خدا خود سران است ارباب توکل را

﴿وَاللَّهُ تَعَالَى تُوكِلْ كَرَنَ وَالْوَوْنَ كَوْخُو سَبْ كَجْهَ بَنْجَا تَا بَه﴾

چنانچہ تاریخ عرس سے قبل ہی مالک حقیقی نے استدر سلامان گریا کہ «ذبیع الدین ۱۳۱۶ ہجری کو میں نے والد ماجد کا پہلا عرس کیا۔ ہر چند جملہ مراسم چھوٹے پیمانہ پر ہوئے مگر اعزاء اور احباب کا اجتماع کافی ہو گیا اور تو ای کام ایسا دلچسپ ہوا کہ بعد قتل کے سب نے پہ اصرار کیا کہ اب یہ عرس بھیشہ ہوا کرے۔ چنانچہ میں نے بھی اقرار کر لیا کہ انشا اللہ ضرور کوشش کروں گا اور بیشوازے برحق کا افضل حال بتوی یہ عرس ہوا کرے گا۔

اس عرس کے بعد سے یہ غیر آباد مسجد بھی اس قدر آباد ہو گئی کہ اکثر نمازی بھی آنے لگے اور بعض ادباء میری ملاقاتات کو بھی تحریف لاتے تھے لیکن اس مرتبہ کی حاضری میں چونکہ سرکار عالم پناہ نے سیر و سیاحت کی اجازت مجھ کو مرحمت فرمائی تھی اس لئے اکثر پرگانہ طریقت کے اعراں میں شرک ہوا اور حضرات مشاہیر اہل تصوف کی خدمت میں بھی اس فرض سے حاضر ہوتا تھا کہ یہ شعاعز ہیں۔ ان کا مشاہدہ ہاوا واسطہ جامع المسخر قین کا مشاہدہ ہے بقول

مراد ما ز تماشائے باش عالم پیخت

بہست مردم چشم از رش توکل چیدن

﴿وَنِيَّا کے بائی کی سیر سے میر اصرف ہی متعدد ہے کہ میں لوگوں کی آنکھوں کے ذریعے تیرے
چڑے کے پھول چنوں۔﴾

چنانچہ اسی خیال سے ایک مرتبہ پنجاب کا سفر کیا اور سائیں تو گل شاہ صاحب سے
ملنے انعام گیا۔ کمل وغیرہ سرانے میں رکھ کر درودات پر حاضر ہوا تو دیکھا کہ ایک خادم دروازہ پر
ستین ہے۔ دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ سائیں صاحب کا مزان نہ ساز ہے۔ اس وقت
مالاتا نہ ہو گئی۔ میں نے کہا کہ دوسرے آیا ہوں صرف اطلاع ہی کرو مگر جب خادم نے اطلاع
بھی لی کی تو مجبوراً واپس آ رہا تھا کہ بازار میں ایک صاحب نے پکارا جو کسی دکان پر بیٹھے ہوئے
تھے۔ میں ان کے قریب گیا تو ”شامت اعمال ماصورت“ اور ”گفت“ کا مضمون پڑھ آیا کہ اس
قد رغیظ و غضب سے وہ معمور تھے کہ باوجود عدم واقفیت کے کار و بد شعار وغیرہ کے خطاہات
مرحمت فرمائے اور بار بار میری بد کرواری کا انکھار کرنے لگے۔ مجبوہ تجربہ ہوئی کہ سر بازار یہ
مسافر نوازی کیوں ہو رہی ہے مگر سکوت و خاموشی کے ساتھ ان کی ماتحتیں برداشت باتیں اور
بدترین ازمات مختار ہا بقول

وَفَا شِمْ وَ مَامِتْ كُشِيمْ وَ خُوشْ باشِيمْ كَهْ وَ طَرِيَتْ مَا كَفْرِيتْ رَجَيْدَنْ

﴿میں وفا کرتا ہوں مامت لپتا اور خوش ہتا ہوں کیونکہ میری طریقت میں مغموم رہنا کفر ہے۔﴾
لیکن شاید میری ہی وجہ سے جب میرے گروہ کے بعض افراد کی ثابت لیقیل وغیرہ
الخالہ استعمال کئے اور خود ساختہ اتهام دے کر ان کے انحال و احوال کی بے جا گاہہ چینی کرنے
لگے تو یہ اتفاق ہے بشرط اس خیال سے طبیعت کو لا گوار ہوا کہ بقول:

أَرْ مِنْ آَلُودَهْ دَامِمْ چَهْ جَبْ
هَمْ نَامِ گَواهْ عَصْمَتْ أَوْسَتْ

﴿اگر میرا دامن آ لودہ ہے تو اس میں تجہب کی کوئی بات نہیں لیکن ان کی عصمت کی گواہی تو سارا
حالم رہتا ہے۔﴾

ہر چند میں اسی لائق ہوں اور میرے حق میں جو کچھ ان کا خیال ہجھے ہجھے خود صحیح
ہو گا۔ مگر افسوس میرے دہم خسال کی بدہالت آج انخوان ملت بھی بدف ملامت ہو رہے ہیں
اور اس خدا کے بندے کو تعصب کے جوش میں وکھانی نہیں دیتا کہ فقر اے تہبند پاش کو تتم کرنا ہے
لیکن عرصہ تک وہ آشنا شفیق نہ طعن و تشنیع سے باز آئے اور انہاں کے تراشیدہ مضمون کا طولانی

سلسلہ حتم ہوا۔

جب ان کی زبان درازی حد سے گزر گئی تو دفلتاں اک رکان کو خدا آ گیا اور میرے
مہربان ناس کو اسی طریق سے جواب دیا اور انھیں انھوں سے ان کی خدمت کی جو میری نسبت وہ
استعمال کر رہے تھے اس وقت وہ بھوش میں آئے اور خاموش ہو کر پندوں تجھت موقوف کی اور
بالآخر انہوں کو چلے گئے۔

دکاندار نے مجھ سے پوچھا کہ میاں صاحب آپ کا کان کجاں ہے اور یہاں کس
لئے آ ہوا؟ میں نے کہا: ”بھائی! اخْلَاعِ مَرَاوَآبِ دَكَارِ ہے والا ہوں اور سائیں تو کل شاہ صاحب
سے ملنے آیا تھا۔ جب سائیں صاحب کا مام سنا تو اس کو اور محبت ہوئی اور نہایت شفقت سے کہا
کہ میں بھی ان کا مرید ہوں لہذا آج آپ کی دعوت ہے۔ چوں کروں دعوت سے انکار کرنا میرے
شرب کے خلاف تھا اس لئے شب کو اس مسافرنواز کے یہاں کھانا کھایا اور سرانے میں آ کر
سو رہا۔

صحح کو شہر کے مشہور مقامات دیکھئے اور ہالیاں طریقہ کے مزارات پر حاضر ہوا اور
دو پیروں کو آ کر سرانے میں سوراہ تھا کہ ایک صاحب نے جگایا اور کہا سائیں صاحب آپ کو بالائے
ہیں۔ چوں کہ میں حاضر ہو چکا تھا اور دربان نے غیر مانوس شخص دیکھ کر اخلاق بھی نہیں کی تھی اس
وجہ سے بے انتیار زبان سے نکل گیا کہ حقیقت تو یہ ہے کہ صرف سائیں صاحب کا استیاق
زیارت میخواہیں ہے اور پہلا کام بھی یہی کیا کہ ان کے در دعوت پر حاضر ہوں لیکن دیکھا کہ
باپ امید مدد و دہے اور پہراہ دار بھی اس قدر تمیز و ارتقا کے محترم کہنے سے بھی اس نے اخلاق نہ
کی۔ اس کے عدم اتفاقات سے پوچھا ہوا کہ سائیں صاحب کو مجھے سمجھ دینا سے ملنا منکور نہیں۔
اسلئے سمجھتا ہوں کہ اب جانے کی ضرورت نہیں۔

لیکن جب انھوں نے زیادہ اصرار کیا تو انکار کا بھی موقع نہ تھا۔ مجہود ان کے ہمراہ
چلا۔ راستہ میں ایک مسجد کے قریب جا کر انھوں نے کہا کہ سائیں صاحب کے مرید تاری
عبد الرحمن صاحب اپیسا اس میں رہتے ہیں اور ان کو بھی آپ سے ملنے کا شوق ہے۔ اگر مفاہمہ
نہ ہو تو ان سے ملاقات کر لیجئے۔ میں نے بخوبی منتظر کیا اور مسجد میں جا کر تاری صاحب سے
صاحب سلامت کی تو موصوف کھڑے ہو گئے اور معافت کے بعد مجھے سرنا پاٹوں کر فرمایا جتاب
 حاجی صاحب کا باس بھی ہے۔ میں نے کہا تھی ہاں! میرے پیشوا نے برقی ہمیشہ رنگیں احرام
زیب تن فرماتے ہیں۔ تاری صاحب نے کہا مجھے مدت سے حاجی صاحب کی زیارت کا شوق

تھا۔ الحمد للہ کہ آج میری وہ دری یہ آرزو یوں پوری ہوئی کہ تم سے ملاقات ہوئی۔ جس کو میں سمجھتا ہوں کہ حاجی صاحب قبلہ کی زیارت فتحیب ہوئی۔ مصدقی "نٹائی اس کی چلا ہے پہلے کی نٹائی ہے" اب تم سائیں صاحب کے پاس جاؤ وہ دریافت فرمائے ہے ہیں۔

تاریخی صاحب سے رخصت ہو کر بھبھائیں صاحب کے مکان پر آیا تو دیکھا کہ موصوف ایک ساتھاں میں آنکھیں بند کیے ہیں اور پائیں میں ایک مرید آپ کا مراقب ہے۔ چند ساعت میں کھڑا رہا اور یہ خیال ہوا کہ اگر سرکار عالم پناہ کی طرح سے باتھوڑھا کیں گے تو دست بوس ہوں گا ورنہ سلام کر کے بیٹھ جاؤں گا۔ اسی عرصہ میں سائیں صاحب نے آنکھ گھوٹی، میں نے سلام کیا۔ محمد وح نے سرستے پاؤں تک مجھ کو لایا میرے بساں کو روکیج کر پیش نمفرمانی اور میری جانب شفقت آمیز طریقہ سے باتھوڑھا حلا۔ میں نے حسب رادہ باخنوں کو بوس دیا اور سامنے بیٹھ گیا۔ سائیں صاحب نے پر جوش لجھ میں فرمایا کہ رسول کریم ﷺ اور حاجی صاحب واپسی ساڑے سال آؤندے ہے۔ پھر ایک آہ کھینچ کر مجھ سے پوچھا کہ تم کو کس نے بھیجا ہے؟ مرغی کیا "خدا نے" پھر فرمایا "کیونکہ آئے؟" میں نے کہا "ریل پر" پھر اس تو جووا کر کہاں قیام کیا؟ میں نے کہا "آپ کے بیہاں" بعد اپنے ایک خلیفہ سے یہ حکم دیا کہ جاؤ ان کے ساتھ کھانا کھاؤ۔ وہ خلیفہ صاحب مجھ کو بہر لائے اور اپنے اہم اہم کھانا کھلایا۔ بعد فراغت میں پھر حاضر ہوا تو فرمایا کہ تم آج ہی سرہند شریف پلے جاؤ۔ میں سلام کر کے سڑائے میں آیا اور اپنا کمبل لے کر شام کی گاڑی سے سرہند شریف روانہ ہوا۔

اتفاق ہے وہی زمانہ عرس کا تھا۔ دو دوسرے زائرین آئے تھے اور انھر پاہر وقت قرآن خوانی ہوتی تھی۔ بعض درویشوں بھی سے ملاقات ہوئی اور بعد انتظام عرس میں لاہور چاہ آیا اور بخوبی اللہ عزیز کے مزار پر انور کی زیارت سے مشرف ہوا اور چند روز ناقاہ اقدس میں قیام کیا۔ شہر کے آثار قدیمہ بھی دیکھے اور وہ مزارات پر بھی حاضر ہوا بلکہ راجہ رنجیت سنگھ کی منڈھی (مریضی) پر بھی گیا۔

لاہور سے امرتسر آیا اور دوبار صاحب پہنچنی گر داںک شاہ کے استھان پر گیا۔ پھر سہار پور میں بعض مزارات کی زیارت کی اور بعدہ ہر رواں آیا اور اندر جا کر گنگا کے کنارے ہیچھے گیا۔ ایک سادھو نے پوچھا کہ تم کون رووا ہو۔ میں نے کہا روہدہ ہاچھوڑ دی ہے۔ قب اس نے پوچھا کہ تم کون ہو؟ میں نے کہا تم نہیں دیکھتے کہ میں آدمی ہوں؟ اس نے کہا "مسلمان ہو یا ہندو؟" میں نے کہا "وہنوں سے طیبہ"۔ "غم و غریب تو چاگیا" مگر اور چند ساچوں میں جمع ہو کر

آئے جن میں سے ایک ایسے بھی تھے جو عہدہ بھی چھوڑ کر فتحی ہونے تھے۔ انہوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ آپ کس کے دیکھنے والے ہیں؟ میں نے کہا: "جو آنکھ کے سامنے آتا ہے جس کو دیکھتا ہوں۔" اس پر وہ مسکرائے اور کہا۔ مطلب میرا یہ ہے کہ آپ کس سلسلہ میں ہیں؟ میں نے کہا کہ عشق کے سلسلہ میں ہوں۔ جب انہوں نے کہا کہ میں آپ سے طلوم کرنا چاہتا ہوں کہ آپ کس کے مرید ہیں؟ میں نے کہا: "وارثی ہوں۔" سادھو جی نے متوجہ ہو کر کہا کہ وارثی تو کوئی خاندان نہیں۔ میں نے تھوڑی صراحت کے بعد یہ سمجھا دیا کہ اصل سلاسل سلسلہ وارثیہ ہے اور سادھو صاحب نے بھی اس کو مان لیا اور پھر سب سادھو یہی دوست ہو گئے کہ تمام دن ان کے ساتھ وہاں کی سیر کرتا رہا۔

بعدہ ہر روز اسے رکھی کیش گیا۔ وہاں بھی اکثر ایسے فقرائے ہندے سے ملاتا تھا ہوئی جو اپنے طریقے سے باخزا اور درحقیقت سادھو تھے۔ مگر تھجی محبت کا ایسا لمحائیں دیکھا جو مساواتے شاہِ مطلق دارین کے مقابوہ پر سے بے سروکار ہو۔

دیکھے پخت، سادھو، جوئی، ختن، ساد، ملک

پر یم کا بھلتو ایک نہ پلا اوگت پار الگ

پھر کی کیش سے جوالا پورا اور لکھل جوتا جو ایسیں زمانہ عرس میں بیرون کیلئے شریف پہنچا۔ خلقت کا تھوم تھا جس میں درویش بھی ہزاروں تھے۔ چنانچہ بعض مفتیم فقراء سے بھی ملاتا تھا ہوئی لیکن والد مر جوم کفر فرمایا کرتے تھے کہ چھنگاٹا ہا اور میران شاہ اور جعفر شاہ ہمارے ملنے والے ہیں اور درحقیقت وہ فقیر ہیں۔ یا رشاد مجھ کو یاد تھا اور ان کو تلاش کرنا تھا۔ مگر باہر جو رو جتو کے دو روز تک ان حضرات کی زیارت نہ ہوئی۔ اتفاق سے ایک شاہ صاحب نے برہنیل مذکور جعفر شاہ کی تعریف کی تو میں نے پوچھا کہ وہ کہاں قیام پڑی ہیں کہا کہ حاجطہ کے باہر لندن دروازہ کے قریب ملیں گے۔ میں نے وہاں جا کر تلاش کیا تو دیکھا کہ ایک درویش دیوئی رمائے بیور یا بچائے بیٹھے ہیں۔ میں نے شرف نیاز حاصل کیا تو بخاطب ہو کر فرمایا کہ آ تو تم ٹھس الدین کے بیٹے ہو، وہ ہمارا یار تھا۔ اب ایسے فقیر نہیں ملتے اور پھر یہ بھی فرمایا کہ تم فقیر حاجی صاحب کے ہو۔ میں نے کہا: "تی بان" فرمایا کہ اس وقت ہندوستان میں وہ آفتاب ہیں۔ پھر خود ہی فرمایا کہ میران شاہ سے بھی ملے؟ میں نے عرض کیا۔ "ابھی نہیں۔" فرمایا: "اچھا بھر وہ اور ایک چلم میں چرس بھرو اکر منکائی اور مجھ سے کہا کہ دم لگاؤ۔" میں نے انکار کیا۔ مگر شاہ صاحب نے جب اصرار کیا تو میں نے عرض کیا کہ اسی صورت میں آ کر فرمائیں جس کو میں نے پہچاہا ہے۔

تو پی لوں گا۔ یہ کن کروہ ہنسے اور فرمایا تم ضرور تھس الدین کے بیٹے ہو۔ اچھا جاؤ۔ وہ میران شاہ بیٹھے ہیں۔ ان کے اشارہ کے مطابق وہاں گیا تو یہ دیکھا کہ ایک صاحب ہنگامی کرتا اور چار گلی کی ٹھنکی تو پی پہنے اور ہنگامی لفگی باندھے۔ ڈارہ گھی چڑھائے اس طرح بستر پر ٹھنکن ہیں کہ کسی کو فتحی ہونے کا گمان بھی نہیں ہو سکتا۔ میں نے زیارت ادب سے سلام کیا تو بکمال جوش بھت جواب سلام دیا اور میری حالت پوچھ کر فرمایا کہ تھس الدین نے جس روز یہ غزل کا حصی تھی۔ ”کہوں کیا رب اعلیٰ عالم الدین صاحب کا، اس روز ہم نہیں تھے۔ فینماں حضرت صاحب سے وہ فتحی ہوئے ورنہ مشانچ تھے۔ پھر ریاضت و مجاہدات کا ذکر آتا تو اس سلسلہ میں فرمایا کہ ذا گروہ شاہ نل ہوا بھی خدا شناسی کیلئے بہترین طریق ہے جو مسافر را طلب کا رفیق ہوتا ہے۔ مگر اے عزیز فتح اور حیز ہے جس کی یافت ریاضت و مجاہدات پر متوقف نہیں۔ بلکہ اس کا حصول عنایت و بھی اور اشارت پیشو اپر متحمل ہے۔ تم کو کیا سمجھا ہوں۔ تم فتحی کے بیٹے اور یہے لانا فتحی کے دست گرفتہ ہو۔ دنیا میں جس کا مثال وظیفہ نہیں۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد فرمایا کہ جاؤ چھنگا شاہ سے بھی مل آؤ۔ وہ بھی تھمارے باپ کے بارہیں۔ اندر اوضاع تباہ ہیں۔

میں تاثش کر کے چھنگا شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ چونکہ وہ نہیں تھا اس لئے ہماواز بلند سلام کیا۔ فرمایا کون ہے؟ عرض کیا۔ او گفت شاہ۔ پوچھا کہاں کے رہے والے ہو؟ میں نے کہا پھر ایوس کا فرمایا۔ تھس الدین کو جانتے ہو۔ عرض کیا۔ ”انھیں کا بدناام کنندہ بیٹا ہوں۔ ارشاد ہوا کہ مرید کس کے ہو؟ میں نے سرکار عالم پناہ کا نام مانی لیا تو فرمایا ہم تو ہر اپلا۔ اول تو سید، دوسرے فتحی ایسے کہ آج ان کے سوا کوئی فتحی نہیں۔“ قول

امروز شاہ انجم میران یکیست

میرا گردہ اربو و میرا آن یکیست

”آج رونت محفل میران بس ایک ہی ہے۔ محفل میں اگر دلبر ہزاروں ہیں تو کیا ہوا سب کا مظہر نکلا ایک ہی ہے۔“

اسی وہران میں نے عرض کیا کہ حکم ہو تو شیریتی لاوں۔ فرمایا ”اچھا لگا مگر حق بھی لاما۔“ میں فوراً لذ اور ایک حکم لایا اور سامنے پیش کیا تو صرف ایک لذ و رکھ لیا اور باتی تقسیم کر دیئے۔ بعدہ اس لذ کے رو حرص کیے ایک مجھ کو دیا اور ایک خود کھالیا اور عرصہ تک صحیح فرمائی مجھ کو خصت کیا اور بعد تھم عرس میں پھر ایوس واپس آیا۔ الغرض یہ سفر ناظہر و پچھپ بھی اور بالمعنی مفید بھی تھا۔ پچھپ اس لحاظ سے کہ مختلف شہروں کے قدیم آثار دیکھ کر شاہان سلف کی

خدا و ادشونکت و صولت کی یاددازہ ہوئی اور اسی کے ساتھ جب ان کے مقام پر نظر سے گذرے تو عبرت ہوئی اور زینا کی بے شانی کام رفیع ساختے آگئی۔ علاوہ اس کے ہر مقام پر مختلف اقوام کے باشندوں کے اخلاقی و عادات سے واقف ہوا۔ ہنگل کے قدرتی سبزہ زار کی بہار دیکھی۔ پہاڑوں کی خوشگواریوں سے صحبت کو نائدہ پہنچا لیکن یہ مختار قوام نہاد ہیں۔ حقیقی مراد میری یہ تجھی بدلکے سیاحت کی اصل غایت جس کو نہ ہی سعادت اور شربی افراحت کہتا چاہے۔ الحمد لله وہ بھی فریب ہوئی کہ مختار ایمان طریقت کے مقدس آستانوں پر حاضر ہوا (اللہ) اگر ان کے مدارات کے قیوٹ و دریافت سے مستفیض ہونے کو سماپنا کجوس تو یہ جانہ ہوگا۔

مزیدہ براں موجودہ حضرات مشاکیں کے مراغات محتوی سے میرے خیالات
کو تقویت ہوئی۔ فقرائے ذی مرتبہ کے فیضان صحبت سے تو وہ دولت لا زوالی حاصل ہوئی
جس کا اندازہ بھی کرنا محال ہے۔ قول حضرت نولانا:

بیشتر از صد ممالک خاتم نباید را

﴿وَلَيْوَنَ كَيْمَنَ مِنْ سَرْكَيْ بُونَىٰ ۚ اِيْكَ سَاعَتْ سُونَالَهَ بَيْرَلَا عِبَادَتْ سَهْتَرَ بَيْ ۚ﴾
 ملی بُدا بعض فقرا نے ہند کا ویران پیازوں اور سنان جنگلوں میں باوجودوں
 سر و صامن جو نے کے خوش و غرم رہتا اور بکمال صبر و استغفار زندگی سر کا ایک ایسا نثارہ
 تھا جس سے نواز فتح قیامت و استغفار کا معقول سبق لے سکتا ہے۔

لیکن قطع نظر ان تمام خویپوں کے اس سفر سے مخصوص فائدہ مجھ کو یہ ہوا کہ پیشواۓ
بحق کے مراقب علیا کی جب مقامی امیل اللہ نے صریح اخراج میں تقدیق فرمائی تو میرا پی خیال اور
 مضبوط و پختہ ہو گیا کہ اتکیم فقر کے شہنشاہ اور اسرار عشق سے آگاہ صرف ہمارے سرکار عالم پناہ
ہیں۔ اسلئے کہ میری نگاہ میں وہ درویش جو قیمتی امیل بالٹی اور خدا رسمیدہ تھے۔ سب نے یہ کہ
زبان حضور کی غلطیت و مثان کا اقرار کیا اور جس کے سامنے ہادی کامل کام لیا۔ اس نے مرغوب
ہو کر سر تعلیم ختم کیا اور اس وقت ان کے قیافے سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ یہ خدا شناس را فقر میں
ہمارے وارث پاک کے دست نگریں بلکہ کثر بجا ذمہ ب نے صرف میرے بابس کی وجہ سے البتی
مکریم کی جس کے لائق میں ہرگز نہ تھا اور ان کا بخوبی و انکسار زبان حال سے کہتا تھا کہ با رگاہ وارثی
کے بغیر مانہر وار ہیں۔

مگر جس طرح پے سفر میرے حق میں مبارک و میمون ہوا۔ اسی طرح بعد مراجعت

تازہ جنون روز افزوں ترقی کرنے لگا اور قدر تما چھر کی دل میں پہنچا ہوئی کہ شبانہ روز کی دوسری
اب نا تامل برداشت ہے۔ کسی طریق سے جلد از جلد بلکہ روز مرہ بارگاہ حبیب کی آستانہ ہوئی
نصیب ہو۔ اسی خیال سے بجائے سکون، قلب کو اضطرار اور بجائے الحمیان ایسا اختصار رہنے لگا
کہ ہر چند مسجد کی خدمت بدستور کرتا تھا۔ مگر غمِ مہوری سے ہب زیادہ رنجور ہونا، زار زار رہنا اور
تصور میں اپنے آنے والے سارے عرض کرنا۔ بقول

بیانِ ہمشیں ہم ازهم جدا شدند
ما نیم آستانہ دولت پناہ تو

﴿میرے ہمشیں رہتے بھی مجھے جدا ہو گئے میرے لئے صرف آپ کا آستانہ ہی پناہ ہے۔﴾
بندہ نواز ای دو رفتارہ نلام تیری جدائی میں مبتلا ہے رُنگِ وَالام ہے۔ شبِ فرقہ کی
تجھاتی کیونکر نہ شاق ہو۔ ”نہ موئے نہ شفیع نہ ہدھے نہ دارم“ اس بارہ سیدہ نوگر فتا رام محبت کو تیری
عنایت درکار ہے۔ بقول

میسوزم از فرات رو از جغا ہروان
ہجران بلاعے ماش یارب بلا گبروان

﴿میں جدائی کی آگ میں جلتا ہوں جغا چھوڑ دے۔ یا اللہ یا ہجر بری بلا ہے اس سے چھڑا
لے۔﴾

مگر دشواری یقینی کہ اوپر تو شوقِ زیارت میں دل بے چین اور میری حاضری کیلئے
حسب فرمان وارثی زمانہ عرس شوالِ متعین جس کوئی صینے باقی تھے اسلئے بمصداق ”نہ پائے
رفش نہ جائے ماندن“ کامضمون تھا بقول

اضطرابم نہ گزارو کہ نشیم جائے
انتظارت نہ گزارو کہ زجا نہ نشیم

﴿بے چینی مجھے ایک جگہ کر جلھنے نہیں دیتی اور تیر انتظار مجھے اپنی جگہ سے انٹھنے نہیں دیتا۔﴾
لیکن کار ساز حقیقی نے یہ کرشمہ کھایا کہ اسی عرصہ میں جناب شاہ فضل حسین صاحب
کا والامامہ آپا جس میں موصوف تھیر فرمایا تھا کہ:

تازہ شوای دل پُر مردہ کہ چوں آب دیات
بھر بودیست کہ موئے تو روان می آیہ

﴿اے افسر دل تازہ ہو جا جس طرح آب دیات تازہ دم کرتا ہے کیونکہ قیوض و برکات کا

سمندر تیری طرف پل پر اے ہے۔۔۔۔۔

سرکار عالم پناہ مقام و حرم پور نواب عبدالملک علی خان صاحب کے کان پر تشریف لے جائیں گے۔ مناسب حلوم ہوتا ہے کہ تم بھی وہیں حاضر ہو کر سعادت قدیمی حاصل کرو۔

شاہ صاحب مددوچ کی بہادت کے بھوپل تاریخ میونہ سے دو روز پہلے مراد آبادیا اور پھر چندوی ہو کر اشیش کیسر پر حضوری آمد کا منتظر رہا۔ حتیٰ کہ وقت مقرر ہو پر جناب والا تشریف لائے اور علاوہ نور محمد شاہ و فیض شاہ خدام خاص کے ٹھاکر پنجم نگھے صاحب وارثی رئیس ملائی خلع میں پوری بھی ہمراہ رکاب تھا اور اسی وقت علی گڑھ سے جو گازی آئی اسی سے باہو کھیال ال صاحب وکیل ہن کو بعد میں نلام وارث کا خطاب نصیب ہوا اور اب ترست کیتی مقتدرہ شریف کے سکریٹری ہیں اترے اور اسی سے مخصوص شاہ صاحب وارثی ہن کا قیام دلی میں زیادہ رہتا تھا آئے۔

قریب اشیش نواب صاحب نے خدم استادہ کرایا تھا۔ اس میں جناب حضرت نے تھوڑی دری کے واسطے اصرحت فرمائی اور یہے بعد دیگرے نلامان وارثی قدیم ہوئے جب مخصوص شاہ حاضر ہوئے تو فرمایا: ”تم کیوں آئے“ مخصوص شاہ نے عرض کیا کہ دلی چارباقہ شوق قدیمی میں اتر گیا ہوں۔ حکم ہوا ”تم ابھی چلے جاؤ“۔ اس حکم حقیقی سے بھائی مخصوص شاہ بجا بھڑک دن و مطلوب ہونے کے سرو و مجنوون ہو کر خیمہ سے باہر آئے اور مکین ہو کر روائی کا سامان کرنے لگے۔ ان کی اس حالت سے صاف ظاہر تھا کہ دستور محبت یہی ہے کہ طالب شوق دیجے میں پر وانہ وار حاضر ہو اور جب مغل مطلوب سے بہرا رسائی نکالا جائے تو لازم ہے کہ اپنی اس ظاہری ذلت کو بھی یعنی حرمت سمجھے قول حضرت جانی علیہ الرحمۃ:

خوش آن روزے کے حقیقی باہر یقان چون مراد یہی

کہ این مسکین کوئے ماجھا بسیار مکروہ

وہ اس دن ہڑی خوشی ہوئی جب اس نے مرے ہر یوں سے کہا کہ یہ مسکین اکثر میرے کوچے میں کیوں گھومتا رہتا ہے۔۔۔۔۔

لیکن اس وقت چوں کہ کوئی گازی نہیں جاتی۔ اس لحاظ سے نواب صاحب نے عرض کیا کہ حضور مجبوری یہ ہے کہ اب گازی انھیں شب کو ملے گی۔ سرکار نے یہ غذر منتظر فرمایا اور ارشاد ہوا ”اچھا رات کو چلے جاویں“۔

نواب صاحب نے مجھ سے کہا کہ تم بھی قدیمی کر آؤ۔ شاید انھیں کے ساتھ تم کو بھی

جانا پڑے۔ چنانچہ میں جب قدیم بوس ہوا تو فرمایا: "کون ہے؟" "مرض کیا؟" اونگٹ شاہ ارشاد ہوا: "تم پھر ایوں میں اپنے باپ کی قبر پر رستے ہو؟" میں نے مرض کیا: "جی بابا! پھر ایوں یہاں سے قریب ہے۔" فرمایا: "تو یہ تمہارا علاقوں ہے۔ اچھا لہرو۔" بعد رفیع تان سرکار عالم پناہ پاگلی میں سوار ہوئے اور جلو میں خلاموں کا ہجوم اٹھش کیسے غالب پور چا۔
بقول

ہوم گشت چو آن ما زنین سوار شود
ہزار نستہ دش خاک رہ گزار شود

جب اس ما زنین نے سوار ہونے کا ارادہ کیا تو ہزاروں خشیدل اس کے راستے کی دھول بن گئے۔

موضع غالب پر قصہ ڈیائی سے قریب تھا اور نواب صاحب نے اس کا شکور گن نام رکھا تھا اور یہیں سکونت کا خیال تھا۔ اسلئے یہاں عالیشان کوٹھی قبیل کرائی تھی لیکن ایک چھت اس کی بیچھے گرا کر تھی۔ اس وجہ سے بعض کا خیال تھا کہ اس میں کسی جن کا گذر ہے اور وہی بیچھے چھت گرا دیتا ہے۔

چنانچہ نواب صاحب پہلے سرکار کو اسی نوچی کوٹھی میں لائے اور منصودیہ تھا کہ دھرم پور لے جائیں گے کیونکہ وہیں دعوت کا انتظام کیا تھا۔ مگر جناب والا نے ترش رو ہو کر فرمایا: "اب ہم یہیں رہیں گے۔" خدام نے عذر کیا اور اس حکم میں ترمیم پاہی تو حضور نے ان کو نظر گرم سے دیکھا اور مکر فرمایا کہ "میں اب یہیں رہیں گے۔" اس وقت نواب صاحب بہت پریشان تھے مگر لٹھا کر پہنچ گئے صاحب نے پوچھا جسارت کی کہ خدمت عالی میں حاضر ہو کر قدیم بوس ہوئے۔ حضور نے فرمایا: "ٹھاکر اب ہم یہیں رہیں گے۔" ٹھاکر صاحب نے مرض کیا۔ "بہتر ہے۔ آپ یہیں قیام فرمائیں لیکن نواب صاحب کو بہت وقت ہو گئی۔ دھرم پور سے کل سالان منگانا ہو گا ورنہ حضور کے مہمانوں کو تکلین ہو گئی۔"

چوں کہ مراج ہمایوں کا انداز کریا تھا۔ کسی کی معمولی تکلین بھی کبھی کوارانہ ہوتی تھی اسی لحاظ سے اس وقت بھی شفقت وارثی کو اپنے خلاموں کی راحت کا خیال ہوا اور فرمایا کہ: "اچھا وہیں چلو۔ ورنہ مہمانوں کو تکلین ہو گئی۔" پھر کیا تھا۔ فوراً پاگلی آئی۔ حضور سوار ہوئے اور ایک ٹھنڈہ میں دھرم پور پہنچ گئے۔ اس وقت نواب صاحب کا بوش سرت زبان حال سے کہتا تھا۔

وہ آئیں گے میں ہمارے خدا کی قدرت ہے
بھی ہم ان کو بھی اپنے گھر کو پہنچتے ہیں
مجھے خوب یاد ہے کہ تاریخ ۵ رمضان المبارک بجنشیہ کاروز تھا کہ قریب عصر حضور کی
سواری دھرم پور بچی۔ شبِ نواب صاحب سے مخاطب ہو کر فرمایا: "کل جمعہ ہے۔ نماز کون
پڑھاتا ہے؟"

نواب صاحب نے عرض کیا کہ مولوی پرورش میں صاحب پڑھاتے ہیں۔ جناب والا
نے حافظ خدا بخش صاحب سے (جن کو بعد میں احمد شاہ کاظمی طبق مرحمت ہوا) فرمایا: "مولوی
صاحب کے ساتھ تھیں نہیں ہیں۔ کل تم نماز پڑھانا اور خطبہ چھوڑا پڑھنا، اور باپو کہیا لال صاحب
سے ارشاد ہوا۔" کل سے تم بھی روزہ رکھو اور ہمارے ساتھ نماز پڑھنے چلا۔"

چنانچہ باپو صاحب نے شب بھر میں ارکان نماز یاد کئے اور حافظ صاحب نے مختصر
خطبہ تشریف کیا اور بعد نصف انہار سرکار عالم پناہ نماز جمعہ کیلئے تشریف لے چلے۔ جلو میں نلامان
وارثی کا اڑ دھام تھا۔ جب مسجد میں پیش ہو دیکھا کہ بھتی کے بہت لوگ مجھتی ہیں۔ حافظ صاحب
نے وہی خطبہ پڑھا اور نماز میں جھوٹی جھوٹی سورتوں کی قرأت کی۔ نصف اول میں حضور تھا اور
عقب حضور باپو لینا لال اور تھا کہ پیغم سُلَّمَ اور ہم سب نلام تھے۔ بعد نماز میلا و تشریف ہوا۔ جب
شیرینی تقدیم ہو نے گئی تو جناب حضرت پاگلی میں سوار ہوئے اور کان پر تشریف لائے۔

شب کو حاضرِ خدمت ہوا تو مجھے دیکھ کر پیغم سُلَّمَ اور صاحب سے فرمایا: "تماکر دوسرا کی
جیز لے کر احسان مند ہونا نہ چاہیے اور اگر لے تو اس کا ہدایہ کرے۔" باہر آ کر تھا کہ صاحب نے
مجھ سے پوچھا کہ مجھ بتاؤ۔ حضور نے یہ کیوں ارشاد فرمایا کہ روئے ہن اس ارشاد کا ضرور تھا اور تمہاری
جاپ تھا کیونکہ جناب حضرت کا اندراز کلام بھی ہے کہ جس سے خطاب کرنا منتظر ہوتا ہے اس
سے نہیں بلکہ دوسرا سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں۔ اسلئے میرا خیال یہ ہے کہ مخاطب کو ہیری
طرف تھا۔ مگر مقصود تمہیں ہو گئے کہ سوائے تمہارے اس وقت کوئی اور حاضر نہ تھا۔

میں نے غور کیا تو عنایت وارثی نے مجھ کو اپنے قصور پر آگاہ کر دیا اور سمجھ دیں آگیا۔

سوئے من بود اشارت فزہ

گرچہ با دیگران ختن میگفت

﴿ خاص ادا سے اشارہ ہیری طرف تھا اگر چہ روئے ہن دوسرا جانب تھا۔ ۴۷
بیٹھ۔ یہ مری تسمیہ کیلئے ارشاد ہوا ہے۔ چنانچہ تھا کہ صاحب سے اپنا حال بیان کیا کہ

چونکہ قبل تو قاتلوں نے لے لیا تھا۔ اس وجہ سے میرے دوست خواجہ حسن صاحب نے اپنی رضائی ساتھ کروی کہ سردوی کی تکلیف نہ ہو۔ وہی اس وقت اوزٹھے ہوئے تھا۔ شاید میرے غیور ہندہ نواز کو منکور نہ ہوا اگر ہمارا نلام کسی صورت سے بھی غیر کامرا ہوں احسان ہو۔

لما کر صاحب کو تو فی الجملہ اطمینان ہو گیا تھیں میں اپنی اس مطلوبی پر اس قدر نام و شرمسار ہوا کہ بیت وارثی سے تمام شب مضطرب و یقرار رہا۔ جب قلب زیادہ بیتا ب ہوتا تو بستر پر مغل مایہ ہے آپ ترپنا اور آتائے نامدار سے عظیمیں کام خواستگار ہوتا اور سب سارے تجز و انکسار عرض کرتا۔

بادشاہ جم ما را درگزار

ما گنہ کاریم تو آمر زگار

وہاں بادشاہ امیری خطاب معاف کر دے میں گنہ کار ہوں اور تو گنہ بھار ہے۔ یہ صحیح کوہر چند تباہ نداشت سے محبوب تھا۔ مگر شوق قدیمی میں حاضر خدمت ہوا۔ اس وقت سرکار حالم پناہ کا بیلی ڈس اوزٹھے تھے جنور نے وہ دوش مبارک سے اٹا کر مجھ کو مرحت فرمایا۔ میں نے اس خلعت فائزہ کو آنکھوں سے لگایا اور باہر آ کر رضائی رکھ دی اور وہی قیمتی دس اوزٹھے کر شاہزادہ فخر حان پھر نے لگا۔

بعد نظری کے وقت حاضر خدمت ہوا تو فرمایا ”او گفت شاہ منو۔ فی انفسکم افالو۔ مسرورون۔ سمجھ گئے“۔ اس ارشاد کے پردہ میں نیصان وارثی نے یہ کوشید کھالیا کہ دفعہ قلب کی حالت اس عنوان سے بدل گئی جس کی حقیقی کیفیت کام اظہار الخطاویں میں کہ دشوار بھی ہے اور منوع بھی۔ بقول:

نہ رازِ خلوتِ شاہان بہر کس می توان گفتمن

نہ سرینہ مزادان مزادے قلب سکھیں است

و شہنشاہوں کے نالوئی راز دوسروں سے جیسیں کہنے چاہیں ان کے دل ان رازوں کو برداشت نہیں کر سکتے۔ یہ

مگر اس افتخار میں بے ساختہ یہ ضرور عرض کیا کہ جنور سمجھ گیا تھیں کوئی دریافت کرے کہ تم کیا سمجھے تو اسی قدر کہہ سکتا ہوں کہ جو کچھ سمجھا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس بیخور دی میں یہ ہوش آیا کہ قابل اس کے جس قدر کچھ چکا تھا وہ فراہوش کیا اور یہ تلقین ایسی موثر ہوئی کہ باوجود اس کی کے دل کو تسلیم ہو گئی اور مجھما فہم کی سمجھ میں آگیا کہ اس کثرت میں درحقیقت وہی وحدت حقیقی جلوہ

گر ہے۔ جو تمام عالم کی جان بکھر دین ایمان ہے بقول حضرت مولانا علی الرحمۃ:

اتصال بے تکیع بے قیاس

بست رب الناس را با جان ناس

حالانکہ اس آیہ واقعی ہدایت کی بارہا تلاوت کی تھی۔ اس کا ترجمہ بھی پڑھاتا۔ اس کی تفسیر بھی دیکھی تھی۔ علمائے نظام نے جو نکات و لطائف اس کے تحت بیان فرمائے ہیں وہ بقدر استعداد مجھ کو پادھتے۔ جنی کہ مشاہیر حضرات صوفیہ کرام نے اس آیہ کو یہ کسے سلسلہ میں جو روز معنوی ظاہر فرمائے ہیں ان سے بھی آنکھیں مستفیض ہو چکی تھیں۔ مگر میری اس تمام واقعیت کی رسائی صرف تحریر مقرر کے احاطہ میں محدود تھی۔ نہ تھانیت سے تعلق نہ روحا نیت سے سروکار رکھا۔ بقول:

علم رسم سربر قل است و تعال

نہ ازه کیفیت حاصل نہ حال

﴿علم قل و تعال کی رسم ہے جس سے نہ کیفیت حاصل ہوتی جہا ورنہ حال ہے﴾
لیکن پیشوائے برحق کی قوت کاملہ کی یہ روشن دلیل ہے کہ جب اس واقعیت رموز و اسرار و کاشت غواصیں و استارے نے اس آیا پاک کی تلاوت فرمائی تو شخص اس کی سماعت سے مجھ اپے ما فہم کے اور اک نے تصدیق کی کہ لا ریب فیہ یہ آیت سریان و جو دی کی قطعی شاہد ہے۔

اگر جناب حضرت اس آیت کے سرانجام میں انطہار فرماتے اور مسٹر شدین کو نکات معنوی سے آگاہ کرتے تو وجہت کی گنجائش نہ تھی۔ تجوب ہے تو اس کا ہے کہ حسنور نے ترجمہ بھی نہیں بیان کیا اور صرف ایک لفظ ”سبجی“ اس اداز سے فرمایا اور اس کا یہ گہرا ہوا کہ مجھ ماں مجھ کو یہ سمجھ مرحمت ہوئی کہ عقل و شعور کی رسائی سے جو سمجھا تھا وہ فعلی لوح ذہن سے بخوبی ہو گیا بقول ”بُو رُبْ حَالَكَاحَ تَبَانِيَازْ نَے اَسَے سَافِرَلَ سَے بَطَارِيَا“

اصل یہ ہے کہ اپے بدیہی اور پر اثر فیض کا وقوع بجز تاثیرات عشق کے اور کسی قوت سے ممکن ہے اور جو نکاح سرکار عالم پناہ کا شریب ہیں عشق سے حاصلے آپ کے جملہ اقوال و انعال میں تاثیر عشق ایسی مضمون تھی کہ ہر چند آپ کسی زبان میں کوئی مضمون ادا فرمائیں مگر وہ اپنی حقیقی تاثیر سے ضرور معمور ہو گا اور مخاطب بھی اُسی حقیقت کا کیوں نہ ہو لیکن آپ کے مقدس کلام کے اثر سے اس کو موڑ ہوا لازمی ہے اور اڑ بھی وہی ہو گا جو عشق کا خاصہ ہے کہ ”یحرق ماسوی

المحیوب .. یعنی وجود غیر اللہ مفترض ہو جائے۔ قولِ ولا مارۃۃ علیہ
عشق آن شعلہ است کو چون بر فروخت
ہرچہ جز معموق باقی جملہ سوخت

﴿عشق ایسا شعلہ کہ جب بھر کتا جتو معموق کے علاوہ ہر چیز کو جلا دیتا ہے﴾
اور یہی اثر عشق یعنی توحید ہے کہ ذرات کا نات میں ایک شاہد حقیقی کے
ظہور ہے۔ گیر کی تصدیق ہو جائے۔ جیسا کہ ہمارے شہنشاہ تعالیم عشق کے افاضہ بالطفی کی
ناشیر نمایاں ہوتی کہ آن واحد میں اپنی قوت و حیات سے مجھہ مامل کے قلب غیر مصنوع کو خدات
کفرت کی کثافت سے صاف کیا اور توحید حضرت والیجہ الوجود کی تصدیق مرحمت فرمائی۔
ایک بار کیا بلکہ متواتر دیکھا ہے کہ حضور کے تصرفات کا عموماً یہی انداز تھا اور اکثر
اخوان ملت کی تربیت آپ نے اسی صورت سے فرمائی کہ معمولی تقریر کے پر وہ میں ان
کو فائز المرام کیا۔ اسلئے تجہب کا مقام نہیں ہے کہ ایک آیت کی تداویت نے مجھہ کو ایسا مکمل کر دیا
جس کی نویت سے باہر آ کر میں عرصہ تک مبہوت بیخبارا۔

لیکن حسب دستور بعد عصر بھی قدِّیبوی کیلئے حاضر ہوا ضرور تھا۔ اس وجہ سے اسی
حالت میں سعادت حضوری حاصل کی تو جناب حضرت نے پندرہ تھم فرمایا

”اوْلَىٰ مَكْتَبَ شَاهِ“ ان بتوں میں ایک دن ان کو خدا مل جائے گا۔

اور مسکرا کر منہ پھیر لیا۔ اس بنا راست سے قلب کو تو اطمینان ہو گیا مگر مسکرا کے منہ
پھیر لیا ایسا مل آؤ۔ اندراز تھا جس نے تقریر کر دیا۔ تقریر تھا کہ آہ سر داں خوٹکوار و کاظہ بار
کرتی کہ وائدہ مانی الصیر نے ایک گھوڑہ مار کر فرمایا ”جاڈا ٹھیرہ“۔ میں کرہ سے باہر آیا
اور جوش سرست میں اس عنایت و پروردش کا شکر ادا کرنے لگا کہ

اے خوش آن دم کر گوش مکرم
کنایہ از اب شکر هکت

﴿وَلَمْ يَكُنْ لَّهَا جَحَّا تھا جب اس کی طرف کان کیا اور اس کے میٹھے بوس سے بات سنی۔﴾
اس موقع پر ماں میں حافظ عبدالجید صاحب اور بھائی حافظ ظفر الدین صاحب اور
چودھری قبل شیخین صاحب بھی شوق قدِّیبوی میں حاضر ہوئے تھے۔ چنانچہ وہر م پورے روانگی
کے وقت جب کہ سرکار عالم پناہ موار ہوئے تشریف لارہی تھے تو یہ لوگ بھی قدِّیبوی ہوئے۔
جناب والا نے تھوڑا توقیف فرمایا اور ارشاد ہوا کہ ”خط آیا ہے کہ اوں گھٹ شاہ چار پانی پر بیٹھتا

بے۔ ان تینوں نگاموں نے یک زبان عرض کیا کہ حضور کو یہ اطلاع کسی نے ملادی ہے۔ پھر جناب والانے فرمایا کہ پھرا یون سے خدا آیا ہے کہ اوگھٹ شاہ چارپائی پر بیٹتا ہے اور کریم بھی پیٹتا ہے۔ ان لوگوں نے سکردوہی عرض کیا کہ قبلہ حالم یہ شر با الک خاف واقع ہے۔ حضور نے فرمایا کہ ”خود غلط ہے اوگھٹ شاہ“ ایسا نہیں ہے۔ اس نے کہا ہے کہ لعنت ہے اس پر جو ایک طریقہ چھوڑ کر پھر اسی کو اقتدار کرے۔ اور خادم سے ارشاد ہوا کہ اوگھٹ شاہ کو پیدا و میں حاضر ہو تو فرمایا۔ ”وہ کھواو گھٹ شاہ پھرا یون میں توک سے رہنا“ میں نے عرض کیا کہ حضور توک سے رہنے کا صحیح مفہوم یہ غلام نہیں سمجھا۔ ارشاد ہوا کہ ”پے لاغ اور بے فرش آن بان سے رہنا کسی سے دب کر نہ رہنا۔“ میں قد نبوس ہو تو فرمایا۔ ”ہمارے ساتھ چلو اور آپ پاکی میں سوار سنڈول روائہ ہوئے ہم لوگ جلو میں چلے۔“ مگر نگاموں صاحب وغیرہ وہیں سے پھرا یون واپس گئے۔

سنڈول کے راستہ میں ایک گنوں ملا جس کا تظر اتنا ہوا تھا کہ آنہ مونٹھ پیک وقت جاری تھے۔ یہ دیکھ کر نور محمد شاہ خادم خاص نے عرض کیا کہ حضور ملاحظہ فرمائیں۔ اس اندارہ پر آنحضرت چل رہے ہیں۔ آپ نے پاکی سے اتر کر دیکھا اور یہ فرمایا کہ سوار ہو گئے کہ ہم نے اس سے بڑا اندارہ دیکھا ہے۔

ہم ماٹھوں کو اس کا اور اگ بھی نہیں ہوا کہ معمولی چیز دیکھنے کیلئے حضور نے کیوں تکلین فرمائی لیکن بعد کو ظاہر ہو گیا کہ نہ وسیع کنوں ملاحظہ فرمانا مخصوص تھا۔ نہ یہ عرض تھی کہ آنہ پر چلنے کا تھا شاہ کیسیں بلکہ ایک ازلی ارادتمند کی حمایت منظور تھی۔ کیونکہ جس طرح یہ محدث ہے کہ روز بیانق ششم حقیقی نے قلب عشق کو جو ہر محبت و دریعت فرمایا۔ بقول:

سلطان ازل مجع نعم عشق بنادر

تاریخے درین منزل ویرانہ نہادیم

﴿سلطان ازل نعم کا خزانہ عشق مجھے عطا کیا تا کہ اس منزل میں ہم ویرانہ کی بیان و رسمیں بھے۔ اسی طرح یہ بھی مسلم ہے کہ ہادیان راہ حق نے عالم ارواح میں جن کی ہدایت فرمائی ہے ان کے وہ ہمیشہ نگران حال رہتے ہیں اور وہ مستردین جب عالم اعیان میں آتے ہیں تو بجا ڈالنا وہ قدر یہم ان کو بھی دست گیر کے ساتھ ارادت ہوتی ہے اور ان کا فطری جوش زبان حال سے کہتا ہے بقول:

ورازول واوہ است مارسانی لعل نعمت

جرح جائے کہ من سرگرم آن جامِ نوز

میرے لعلیں لبِ ساقی نے مجھے براوی دیا ہے اور وہ گھونٹ جس نے مجھے از سرفتنہ کر دیا ہے
ابھی جام کے مادر ہے۔

اور ان کو بادی کا مل اس مالم میں بھی مدد و معاون ہوتا ہے اور حصولِ رضاۓ حق کی
ہدایت فرماتا ہے اور اپنے فیضانِ بالٹی سے مستفید کرتا ہے۔ جیسا کہ حضور نے اپنے ایک اذی
حلقہ گوش کیلئے یا بتا مفرما یا کہ بحدائقِ "مکلُ امرِ مژہوں" پاؤ فاتھا۔ جب اس کی
ہدایت کا وقت آگیا۔ پاکی سے اترے اور کنویں پر کام کرنے والے مزدوروں میں سے اس کو
نکال کر اپنے مغل عاظفت میں لیا اور وہ ذی ہوش بھی اتحاد و یقینگت کے جوش میں اپنے حقیقی رہنمای
کی جانب رجوع ہو گیا۔

چنانچہ اپنی آنکھوں سے یہ کرشمہ دیکھا کہ جو لوگ مرپڑا رہے تھے باقی سب تو اسی کام
میں مشغول رہے لیکن ان میں سے ایک شخص جو قوم کا راجہوت تھا کام چھوڑ کر آیا اور تم لوگوں کی
طرح پاکی کے ساتھ چلا۔ سندھ ول پہنچ کر اس نے نہایت پر جوش لہجے میں مجھ سے کہا کہ میاں
صاحب مجھ کو بھی گروہ بارج کا چیلدا کراؤ۔ میں اس کو خدمت والا میں لایا اور اس کی
استمدعا کا اظہار کیا۔ حضور مسکرائے اور اسی وقت اس کی بیعت لی اور فرمایا۔ "جاہ مریب ہو گئے۔"

چونکہ مشتا تنانِ جمال وارثی کا جووم تھا اور بکثرتِ اہل عقیدت و داخلِ سلسلہ ہو رہے
تھے۔ اصل میں دروازہ پر کھڑا ہو گیا اور ہر ایک حلقة گوش کو شجرہ دینے لگا۔ بلکہ باہولنیاں الی
صاحب بھی میرے ساتھ اسی انتظام میں مصروف تھے کہا گا وہ ذی ہند و راجہوت میرے پاس آیا
اور کہا کہ یہ کافر مجھ کو بھی دو۔ میں نے کہا۔ "تم اس کو کیا کرو گے؟" اس سادق الارادت نے
بر جستہ کہا کہ قیامت کے دن جب خدا مجھ سے پوچھے گا کہ تو بھی مریب ہوا تو میں یہ کافر اس کے
با تھے میں دیروں گا کہ دیکھ لے۔ با پو صاحبِ موصوف نے کل شجرے میرے ہاتھ سے لے کر اس
کو دے دیے اور مکمل ہو کر کہنے لگے کہ ایسے ہی عقیدت شعارِ حلقة گوش شجرہ رکھنے کے متعلق اور
مزار اوارتیں۔

الغرض جس طرح دھرم پور میں ہزاروں عقیدت مدندر مغل جماعت وارثی میں پناہ گزیں
ہوئے اسی طرح سندھ ول میں سیکھوں اہل ارادت شرف بیعت سے شرف ہوئے۔ بلا اثر
حضور اتر ولی ریلوے اسٹیشن سے سوار ہو کر نلی گڑھ تشریف لائے اور بالائے قلعہ حافظ حسن خان
صاحب کے کان میں قیام پذیر ہوئے۔ یہاں بھی مریب یعنی وہ عقیدیں کا جووم تھا۔ بلکہ وہ

مشتمان زیارت جو بے بُری کی وجہ سے دھرم پورا اور سندھول میں حاضری سے تاصر رہے تھے اب چنان حضرت کی تشریف آوری کی شہرت سن کر پواتہ وار اتروپی، ذہانی، اونٹ گھبر، چونڈر، تاوارے باش غیرہ سے آئے اور سلسلہ وار شہید میں داخل ہوئے۔

چنانچہ تین روز طلی گڑھ میں فیضان والی نے خلق اللہ کو مستقید فرمایا۔ جب حضور اندرس نے بائزس جانے کا عزم کیا تو مجھ کو بھی رخصت فرمایا اور قدیمیوں ہو کر میں پھر ایوس واپس آیا اور اسی مسجد میں آ کر پھر تباہ زندگی بسر کرنے لگا۔ البتہ اس دلچسپ سفر کی یاد شب تہائی میں ضرور موس و شخوار تھی کہ حضور کے غیر معمولی تصرفات اور تامل یا رکار و اتفاقات کا خیال کرنے سے اکثر یہ حال ہوا کہ پھر وہ ساکت و صامت بیجا رہتا تھا۔

چنانچہ اس سفر کے بعد سے یہ حالت ہو گئی کہ آنکھوں کو کوئی سیر و تماشا پنڈتیں آتا تھا۔ ہر وقت وہی منظر پیش نظر تھا جو حضور کی بدولت دھرم پور کی سیاحت میں دیکھ آیا تھا۔ ہر چند بیجیاں لیستھنی بعض بزرگوں کی خدمت میں حاضر بھی ہوا مگر کسی صورت سے تسلیم نہ ہوئی۔

بقول

شربت درد تو ہر خستہ کہ نوشید دے
القات ہے میجا و م او نکند

(جو خستہ حال تیرا شربت پی لیتا ہے اسے میجا اور اس کے دم کی حاجت نہیں رہتی ہے اسی اختصار میں دن راست زندگی بسر ہوتی تھی اور یہی خیالات اس قدر استوار ہو گئے تھے کہ کسی وقت دل کو فرار نہ تھا۔ مگر والد ماجد کا عرس تقریب آگیا تو حسب معمول اس کے اندرام میں مصروف ہوا اور بجہہ اس مرتبہ تاریخ میونہ میں بھی اس قدر رتیم ہوتی کہ بجائے تمری میونہ کے سلسلی میونہ اختیار کیا۔ چنانچہ ۱۳۱۹ھ جو بھری کا عرس کم چیت مطابق ۲۷ محرم سے شروع ہوا اور ادا نہیں ہے ہر سال اس عرس میں کچھ نہ کچھ ترقی ضرور ہوتی اور اب پہاں تک شہرت بھی ہو گئی کہ بعض مشاکھیں بھی شریک ہونے لگے اور میرے اعزاء و احباب بھی ویسی لیتے تھے جی کہ اس عرس میں تین روز مہمانداری کے ساتھ قوامی بھی ہوتی اور ۳ چیت مطابق ۲۶ محرم کو تقریب ختم ہوتی۔)

اسی اثنائیں حلوم ہوا کہ نور محمد شاہ خادم خاص مہداء خدمت سے معزول ہو گئے اور فیضو شاہ صاحب جو ماتحت تھے ان کے قائم مقام ہوئے اور سب معزولی یہ ہوا کہ کچھ عرصہ سے وہ طامع اور تریض استقرار ہو گئے تھے کہ مانگنڈ پہ بے اور با وجوہ متواتر فہمائش کے اس خصلت

سے بازنہ آئے اور نہ چیخاں کیا:

جہاں فانیٰ و کارش جملہ فانیٰ چ کار آپہ ترا گنج و غزانہ

فُرُنیا اور اس کے تمام کام پا نیدار ہیں تیر انداز اور دولت کس کام آ سکتی ہے یہ
آ خدا یک روز سرکار عالم پناہ نے فرمایا کہ دیکھوںو مرد شاہ یہ مشہور مقولہ ہے کہ یا رستے
دھا اور گروتے چوری، یا ہوندھا ہو گوڑھی۔ مگر اس اسرار وام حرص و آزاد نے اس ہدایت کے بعد
بھی اپنے اخلاقی ذمیہ کو درست کرنے کی کوشش نہ کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کا خون متحرک ہو گیا
اور پھر ہر پر گنج روز بہ وزیر ہونے لگا۔ اس وقت الحنوں نے مجبوراً اپنے انعام قبیح سے توبہ کی اور شاید
اسی شب کو یہ خواب دیکھا کہ سرکار عالم پناہ نے مجھ کو ایک دریا میں غوط دے کر تکالا تو جسم کی وہ
سوہنہ اور تکلین بھی جاتی رہی اور ہاتھ پاؤں کا ورم بھی اتر گیا۔

چنانچہ اس خواب کی بدیکی تعبیر بھی ظاہر ہو گئی کہ دو ہفتہ میں وہ احتراطی حالت معمولی
حلاج سے جاتی رہی لیکن پھر کچھ عرصہ کے بعد ”کاسہ قشم حریسان پر ہند“ کا مضمون صادق آیا
نور محمد شاہ پھر نفس کے وام تزویر میں گرفتار ہوئے اور حسب عادت قدیم ان سے پھر وہی حرکات
سرز ہوئے لیکن ہن کی پاواش بھی فوراً ہو گئی اور چند ہی روز میں پھر وہی آزار رہنا ہوا اور احتراطی
ماہہ عود کر آیا پلکہ اس مرتبہ کوئی حلاج مفید نہ ہوا اور حارضہ میں روز بہ روز ایسی ترتیب ہوئی کہ پاؤں
کی انکلیاں شق ہو گئیں اور دلوں ہاتھ بھی خراب ہو گئے۔ ہنام بھی ہوئے اور مایل نہ رام
بقول

خیال جہاں از دلت دور گن بکارت نیا یہ گبے حرص و آز

فُرُنیا کا خیال دل سے نکال دے لائی اور حرص و جواہر کی کام نہیں آتے۔ یہ
چونکہ یہ بھی معمول تھا کہ خادم خاص کھانا کھلانے میں شریک ہواں ہیئت سے
نور محمد شاہ روزمرہ دستِ خوان بچاتے تھے اور پھر ایک کھانے میں ان کا ہاتھ بھی لگتا تھا۔ یہ دیکھ کر
وہ مگر خدا م کو نعم و اور مرزا ایم بیگ شیدا اور تاضی بخشش علی صاحب کو خاص طور پر بجا ڈال بشریت
خیال ہوا اور پڑھا تھا طبند مرتبہ جناب حضرت سے ملتھس ہوئے کہ وہ مگر خدمات اگر پا انعام
دیں تو ہم کو خذ نہیں لیکن کھانا کھلانے میں جو شریک ہوتے ہیں یہم لوگوں سے نہیں دیکھا جاتا۔
ان کی تسلیم کے واسطے کبھی تو جناب والا نے یہ فرمایا کہ حارضہ کو متعددی نہ خیال کرو

اور کبھی ارشاد ہوا کہ معمر شخص کو یہ عارضہ نہیں ہوتا اور کبھی ان کی دلجمی اس طرح بھی کر دی کہ فرمایا آئندہ سے کھانا کھلانے میں پیش رک نہ ہوں گے لیکن اس حکم کا عمل درآمدتہ ہوا اور بدستور نور محمد شاہ اپنی خدمت پر مامور رہے۔

آخر ایک روز یہ دونوں نلام دست بستہ کھڑے ہوئے اور آہ یہ ہے ہبھوکر عرض کیا کہ حضور یہ درخواست منظور فرمائی جائے کہ نور محمد شاہ کل کام کریں۔ صرف دفتر خوان کے قریب نہ آئیں۔ چونکہ یہ عرض داشت مشتمل پر نہ فہمانیت نہیں بلکہ عین محبت سے تھی اسلئے قبلہ عالم نے اسی وقت نور محمد شاہ کو زکال دیا۔ مگر ان کی خدمت کسی دوسرے خادم کو تفویض بھی نہیں فرمائی۔ ہم یہ لوگ خوش ہو گئے اور نور محمد شاہ تمام دن بصورت تحریر باہر بیٹھے رہے۔

ماگاہ عصر کے وقت تھکم ہوا کہ نور محمد شاہ کو پیدا لو۔ سب کو حیرت ہوئی اور ابھی بھکل ملزم جو باہر بیٹھے تھے وہ اندر آئے اور اپنا فرض متصھی واکرنے میں مصروف ہو گئے لیکن شیدا میاں اور تااضنی صاحب کو یہ خیال ہوا کہ ہماری استدعا قطعی معزول کرنے کی نہ تھی۔ اسلئے دیگر خدمات کے واسطے بالائے گئے ہیں درخواست صرف اس تھکم کی دفتر خوان کے قریب نہ جائیں۔ وہ شاید منظور ہو گئی ہو اور اب کھانا کھلانے میں پیش رک نہ ہو پائیں گے لیکن شب کو جب خاصاً یا تو نور محمد شاہ نے حسب معمول کھانا کھلایا۔ یہ کیا کہ شیدا میاں اور تااضنی صاحب کو خفت تکلینہ ہوئی مگر اس وقت پاک ادب خاموش ہو رہے۔

یہ بھی تابعہ تھا کہ شب کو ماگاہ وارثی میں علاوه ہر وہ خدمت متعین کے ایک یا کبھی دو خادم اور بھی ضرور بچت تھے جن کا کام یقہا کہ سرہانتے پیچھو کوئی تاریخی واقعہ بیان کریں یا حضور نے کوئی بات کی تواں کا جواب دیں۔ گویا شب کے خادم یہی لوگ ہوتے تھے اور چونکہ روز و شب کی یہی خدمت تھی۔ اسلئے مزاد و اتنی بھی انھیں حضرات کا حصہ تھا اور اس خدمت روزانہ کیلئے تمیں چاری خادم خصوص تھے۔ مجدد ان کے شیدا میاں اور تااضنی بخشش ملی صاحب بھی تھے۔ اتفاق سے اس شب کو سرکار عالم پناہ نے انھیں دونوں کو حاضری کا حکم دیا۔ چنانچہ تمام رات نہایت مستعدی سے انھوں نے اپنی خدمت بھی انجام دی اور باہم یہ بھی تجویز کیا کہ صحیح کو اس کا بھی قطعی تھفیہ کر لیا جائے کہ نور محمد شاہ ہرگز دفتر خوان کے پاس نہ جائیں۔

صحیح کو بھی یہ لوگ اپنی مقررہ خدمت میں مصروف رہے اور جب حضور اشتہ کر چکے تو یہ دونوں نلام ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ ہم کو رخصت کر دیا جائے۔ ارشاد ہوا: ”کہاں جاتے ہو؟“ عرض کیا۔ ”اپنے اپنے گھر“ فرمایا۔ ”کیوں جاتے ہو؟“ عرض

کیا؟ انہم سے دنیا ہیں۔ باعتبار بشریت یہ نہیں دیکھ سکتے کہ جس کمانے کو مدد و مہما تھا گئے۔ اس کو آپ تناول فرمائیں۔ حالانکہ خون رو محمد شاہ کو احتیاط لازم تھی مگر خوف خوف ختنی سے وہ دنیا نہیں کرتے اور نہ آپ ہماری استدعا منظور فرماتے ہیں۔ لہذا آپ ہم کوئی نہیں۔ اسلام مجور اپنے اپنے گھر جاتے ہیں کہ نہ بیہاں ہوں گے زبان کی یہ عنوانی دیکھیں گے۔

سرکار عالم پناہ حضور انور کرنے کے بعد کھڑے ہو چکے اور دونوں شماموں کو سینہ سے انکالیا اور فرمایا ”تم نے ہمارے واسطے دین و دنیا کو چھوڑا اور یہ بھی محبت کا تقاضا ہے جو کہتے ہو کر وہ کھانا نہ کھلائیں۔ اچھا آپ نہ کھلائیں گے۔“ اور فتح علی شاہ سے ارشاد ہوا کہ تھیلاں لو اور خون رو محمد شاہ کو ہٹا دو۔ چنانچہ فتح علی شاہ نے فوراً اس حکم کی تفہیل کی۔

اس تھیلا میں حضور کا خاص اسیاب رہتا تھا جس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک سکھا، ایک سرسہ دافی، ایک سلانی اور چند مٹی کے ڈھیلے اور سینک کے خال اور ایک دو قسم کا چورن۔ یہی تھیلا جس خادم کے پاس ہو دی خادم خاص کے لقب سے موسم ہوتا تھا۔ چنانچہ آپ تھیلا فتح علی شاہ کو مل گیا لیکن معقولاً دوسرے خادم کی بھی ضرورت تھی جس کیلئے مختلف تجویزیں پیش ہو گئیں۔

شاہ فضل حسین صاحب اور شیدا میاں نے یہ گذارش کی کہ اوگھٹ شاہ کو ہدایا چاہے۔ سرکار نے فرمایا کہ وہ اپنے باپ کی قبر پر رہتا ہے اور بیہاں کی زبان بھی وہ نہ سمجھے گا پھر ابو الحسن شاہ اور بگڑے دل شاہ کو تجویز کیا۔ حضور نے یہ رائے بھی اپنند فرمائی۔

مگر فتح علی شاہ چونکہ تھا تھے اسی شیدا میاں و تااضنی صاحب ان کے شریک رہے اور چھوڑنے کے یوں کام چاہیے۔ لیکن حضور نے دوسراخادم کسی مصلحت سے مقرر نہیں فرمایا۔ خادم خاص صرف فتح علی شاہ رہے اور وروازہ پر فوت علی شاہ رہتے تھے۔ مگر کوئی مخصوص خدمت ان کو تفویض نہیں ہوتی تھی۔

اسی زمانہ میں شاہ فضل حسین صاحب نے یہ کل حالات ارتقام فرمائے اور مجھ کو طلب کیا کہ خدمت میں رہو۔ میں نے جواب میں مدد و مدد کو ٹھکارش کیا کہ اول توہڑ رگوں کا فرمودہ ہے کہ ”رزویکاں راہیں بوجراہی“۔ وہم سرکار عالم پناہ کی زبان اقدس سے سنائے ہے کہ خدمت میں اندر حابنا کے رکھتے ہیں۔ لہذا میں خادم خاص ہونے سے ڈننا ہوں اور بھیش بھی استدعا ہے کہ جس طرح نلام بنالیا ہے۔ اسی طرح نلام بننا کے رکھیں اور انتا اللہ عز و جل زمانہ میلہ کا تک میں حاضر خدمت ہو کر اس کے مختلف زبانی عرض کروں گا۔

چنانچہ ۱۶ صفر ۱۳۷۰ ہجری کو میلہ کا تک میں حاضر ہوا تو یہ کہ شرمند قدرت دیکھ کر حیرت

ہوئی کہ وہی نور محمد شاہ کل جس کامران خیں ملتا تھا۔ آج ایک ٹیلی کے بیباں پرے ہیں اور اس قد رکھپری کی حالت ہے کہ ان کا سلام کوئی نہیں لیتا۔ یا انقلاب دلکھ کر میر اخیال اور مشبوط ہو گیا کہ واقعی خادم خاص بن کر خدمت کافرش کمالاً ادا کرنا بہت دشوار ہے لیکن وہ شوق روزانہ فرزوں تھا کہ درودوں پر حاضر ہوں۔ بلکہ اس مرتبہ رخصت ہوا تو تھہرا یوس بنا شاق گز را کہ ایک دن کا فراق بھی گوارا نہ تھا اور حسرت یقینی کہ صحیح و شام آستادہ اقدس کی دید ہوتی اور عمر یونہی تمام ہو جاتی۔ بقول جامی علیہ الرحمۃ:

جز سر کوئیش من دیوانہ راسکن مبار
بلل بے غانماں راجائے جز کلشن مبار

﴿تیرے کوچے کے سوا دیوانے کا کوئی لمحکانہ نہیں جس طرح بے کمر بلل کو باش کے علاوہ کہیں
چکہ نہیں ملتی ہے﴾

لیکن قربان جا چکے حضرت وارث پاگ نے بندہ نوازی کی یہ شان و کھانی کر ۱۳۲۰ء میں شاہ ولایت صاحب کے عرس میں جب حاضر ہوا اور بدستور قدیم درگاہ میں قیام کیا تو چھ روز کے بعد جو میری رخصتی کا وقت تھا آئائے نامدار نے میرے حق میں یہ حکم صادر فرمایا کہ درودوں پر حاضر ہو۔ یعنہ مغلی مراد پاکر بے حد خدمت ہوئی بقول

پاکم نیز سد بزمیں ونگر از نشاط
نا سعے من بلطغہ و عنایت تو دیدہ

﴿آپ نے مجھ پر لطف و کرم کی تھاہڈی ہے میرے پاؤں زمیں پر نہیں کلتے۔﴾
اسی کے ساتھ یہ حکم ہوا کہ بستر بھی درودوں پر لگاؤ۔ چنانچہ اسی روز صدر دروازہ کے قریب پہلی ڈیواری میں بستر بچلایا جس کے جتوں سی سوت جو کمر تھا اس میں رحیم شاہ صاحب رہتے تھے اور میرے بستر کے پائیں شال کی طرف قوت علی شاہ کا بستر تھا۔ اب کوئی غم نہ رہا اور اطمینان ہو گیا کہ

وی چنگ در ج شاہ وارث نے
ورنہ اوںگت کہاں نہ کاما تھا

پہلے مجھ کو خدمت مہمان نوازی مرحت ہوئی کہ زائرین کے قیام اور ان کے آرام کا انتظام کروں۔ ان کی آسانی کیلئے روشنی اور پانی وغیرہ موجود ہے۔ صحیح و شام ان کو کھانا پہنچاوں اور جوارا و تمدن حلقة غلامی میں داخل جو اس کو خدمت والا میں پیش کروں لیکن روہفتہ کے

بعد مہاگین کو روزانہ جو نسل تسلیم ہوتا تھا اس کا انصرام بھی مجھ کو تنویش ہوا اور اب تمام دن انھیں خدمات میں مصروف رہنے لگا اور اپنی قسم پر خونا ز کرتا تھا۔ قول:

خاک قدم دوست شد نیست کے را

ایں بیش کے امروز مرا در قدم دوست

﴿آن میرا عیش آرام اس کے قدموں کی برکت ہے بے میں اپنے دوست کے قدموں کی خاک ہوں اور کسی سلیمانی اس سے ماسوا پکجئیں﴾

ایک روز پانی بر ساتھا اور امر کی وجہ سے رات کو ٹاریکی زیادہ تھی اور مہماںوں کو آمد و رفت میں بہت تکلیف ہوئی کیونکہ محنت و ولت سرانے میں اور صدر دروازے کے باہر روشنی کا قطعی انتظام نہ تھا۔ دوسرے روز جب اس کی شکایت حضور نے سنی تو یہ خدمت بھی مجھ فقیر کو مرمت ہوئی۔ میں نے پہلا کام یہ کیا کہ ایک چوبی ستون لاٹھیں کے والٹے تھن۔ کان میں اور ایک صدر دروازہ کے باہر پائیخانے کے قریب اس انداز سے گازا جس کی روشنی ہر چار جانب ہو اور ان پر لاٹھیں نصب کر دی۔ رات کو جب انھیں روشنی کیا تو سب کو یہ انتظام پسند آیا مگر فتح شاہ صاحب کو یہ روشنی شاید خوٹگوار نہ ہلوم ہوئی یا کسی اور وجہ سے جناب والا کی خدمت ہالی میں عرض کیا کہ جو بات بھی نہ ہوئی تھی وہ شروع کی گئی اور جدید تنظیم نے لاٹھیں لگائی ہے۔ حضور نے مجھ کو ہلاکر دیافت کیا۔ میں نے اس کی ضرورت ظاہر کی اور تھن۔ کان میں جو لاٹھیں روشن تھیں وہ دیکھائی۔ چونکہ اس وقت خفیت بارش ہو رہی تھی اور امر غمیز تھا۔ اس ٹاریکی میں وہ روشنی نہیں تھے خوشناہ علوم ہوئی تھی۔ حضور نے فرمایا: ”یہ تمہاری ایجاد ہے؟“ میں نے عرض کیا کہ ایک لاٹھیں باہر بھی لگائی ہے۔ فرمایا: ”چلو اس کو بھی دیکھیں۔“ ہر چند خدام نے بارش کا عذر کیا مگر قبلہ عالم صدر دروازہ تک تشریف لائے اور باہر کی لاٹھیں دیکھ کر ارشاد ہوا: ”اب مہماںوں کو بہت آرام مل گا۔“

الغرض جب سرکار عالم پناہ کی منتظری ہو گئی تو پھر کسی خام نے روشنی کی نسبت بھی اعتراض نہیں کیا اور میں وقت اور موقع کے لحاظ سے جہاں اور جس قدر روشنی کی ضرورت ویختا تھا اس کا انتظام کرتا تھا۔

ایک روز قبلہ عالم نے مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ خطوط لائے؟ میں نے عرض کیا کہ ہر پر شاد جنگی رسان لانا ہے وہ بھی آیا نہیں۔ ارشاد ہوا: ”تم ذا کھانہ جا کر لاؤ۔“ میں فوراً گیا اور حضور کے نام جس قدر خطوط آئے تھے لا کر خدمت والا میں بیش کئے۔ جناب حضرت

بینجھے اور خطوط ایک فرما لیا۔ ”انتے خدا آئے ہیں۔“

چونکہ اس زمانہ میں نہیں اشرف میاں چھپی رسانی سے خطوط لے کر بے ترتیب طریقہ سے ان کا مخفوم سنا دیا کرتے تھے اسی خیال سے وہ بھی آئے اور خطوط ایسا پا بے۔ مگر سرکار عالم پناہ نے بھائے ان کے خطوط امیر سے با تھیں وے دیئے اور ایک خدا ملا جعلہ فرمائے لگکے۔

اس روز سے یہ خدمت بھی مجھ کو خصیب ہوتی کہ روزانہ ڈاکخانہ سے خطوط لا کر خدمت والا میں پیش کرنا تھا اور جس خط کے جواب میں جواز شادیوں تھا وہ لکھ دیا کرنا تھا۔ عرصہ تک تو بھی صورت رہی۔ مگر پھر حضور نے فرمایا ”تم پڑھ کر خلاصہ اس کا سنایا کرو کہ کس کا خط ہے اور کیا مضمون ہے؟“ چنانچہ کچھ روز یہ طریقہ رہا کہ مخفوم خداں کر جو جواب میں ارشاد ہوا وہ لکھ دیا کرنا تھا لیکن بعد کو یہ تاعدہ بھی عارضی ناہت ہوا۔ یونکہ پھر مضمون سکر پر فرماتے تھے کہ جواب لکھواد۔ میں جواب لکھ کر سنایا کرنا تھا۔

چونکہ عموماً خدام کا بھی کام تھا کہ ہمہ وقت حضور کی طبیعت بہلانے کی کوشش کرتے تھے اور اگر کسی کی ہاتھ پر یا کوئی شخصی کا سلام کسی نے ایسا پیش کیا کہ قبلہ عالم نے قسم فرمایا تو اس آن واحد کے مسئلکر نے کوہ خادم اپنی میں کامیابی اور سرمایہ فخر و بہاثت سمجھتا تھا بوجہت کا خاص تقاضا ہے اسی خیال سے میرا بھی یہ معمول تھا کہ شب کو جتاب والا جب خاصہ نوش فرماتے تھے تو اُن وان لیکر سامنے حاضر رہتا تھا اور بعض مجاہدیب کا تذکرہ یا قلندرانہ مذاق کے بتعلیم عرض کرنا تھا کہ حضور محبوب ہوں اور وفات کے زیادہ تباول فرمائیں گے کیونکہ خدا آپ نے بہت کم کردی تھی اور ہنور شعف سے چلنے میں پاؤں کا غرض ہوتی تھی۔

میں نے یہ بھی اختیار کیا تھا کہ ایک بجے دن کو چونکہ اکٹھنیک رہتا تھا اس وقت سرکار عالم پناہ کی پستگانی کے واسطے مشاکیں عظام کا عاشقانہ کلام سناتا تھا۔ چنانچہ ایک روز والد مر جوم کی غزل جس کا مطبع یہ ہے۔

ما کافر عشقتم وگ کار نہ واریم

از کفر و ز اسلام سروکار نہ واریم

(میں کافر عشق ہوں اور اس کے سوا مجھے کچھ کام نہیں اور کفر و اسلام کچھ سروکار نہیں رکھتا ہے) پڑھنا شروع کی تو حضور نے پہلا شعر کرنا پیدا و سنت مبارک بلند کیا اور فرمایا کہ یہیں کی غزل ہے؟ عرض کیا کہ والد مر جوم نے تکمیلی تھی۔ ارشاد ہوا ”وہ فقیر تھے۔“

لیکن خواجہ امیر خسر و علیہ الرحمۃ کا کلام تصور کو زیادہ پسند تھا۔ بلکہ اکثر بھی ارشاد و ہوا ہے کہ ”مریب ہو تو ایسا ہو۔“ جیسے امیر خسر و اپنے بیوی کے مریب صادر تھے مگر بیوی کو بھی لازم ہے کہ اپنے خلوص و محبت سے مریب کی نگرانی کرے کہ ماہین بیوی و مریب تجاح غیر بیت نہ رہے اور باہم اتحاد بلکہ عینیت ہو جائے کیونکہ بیوی و مرشد کا رشتہ اپنا ہے جیسے باپ اور بیٹا یا استارا ورثا گرو۔ یا شوہر اور بیوی جو متھر اور باہم خیر انداز ہوتے ہیں۔ یہی صورت بیوی و مریب کی ہے۔ بیوی کی عنایت و شفقت ہی سے مریب کے دل میں اطاعت و محبت کا مادہ پیدا ہوتا ہے اور بالآخر یہی اطاعت و محبت اس کو فائز المرام کرتی ہے۔

بیوی و مریب کو اگر باپ اور بیٹا قیاس کیا جائے تو اسی کے ساتھ یہ بھی بحکوم وہ مجازی باپ ہے اور بیوی و حانی باپ ہے۔ وہ جسمانی نشوونما کے واسطے اگر لذیدندا کمیں مکھلاتا ہے تو یہ رو حانی عروق و قریب کیلئے نہایے معنوی سے پوشش کرتا ہے وہر وقت اگر امراض جسمانی سے محفوظ رکھتا ہے تو یہ ہر آن انہوں نے شیطانی سے نگہداشت کرتا ہے۔ بیٹا اپنے باپ کے اموال ظاہری کا مالک ہوتا ہے۔ مریب اپنے بیوی کے علم بالطفی کا مستحق ہے جس طرح بیٹا اپنے باپ کی نشانی بھائی طرح مریب اپنے بیوی کی زندگی زیارتگار ہے۔

اور اگر بیوی کو جائے استاد اور مریب کو شاگرد تصور کرو تو یہ تمثیل بھی صادق آتی ہے کہ استاد اپنے قتوں سفینے سے شاگرد کو فائدہ پہنچاتا ہے اور بیوی علم سینہ کے قبوض وہ کاماتے قبوپیش فرماتا ہے۔ یا استاد مجازی ہے جو شاگرد کو علم ظاہری سے ماہر کرتا ہے اور بیوی چونکہ معلم حقیقی ہے وہ مریب کو معنوی تربیت سے شائق ہوتا ہے۔ جس طرح مجازی استاد کی تعلیم سے مختلف لغات و حلوم ہوتے ہیں اسی طرح حقیقی معلم کی توجہ نکات حقیقت اور روزہ عرفت سے آگاہ کرتی ہے۔ مجازی استاد کی عنایت سے شاگرد وہیں خیال ہوتا ہے حقیقی استاد کی ہدایت سے مریب کا مکدر قلب نورانی ہوتا ہے۔ استاد بھی اپنے شاگرد کی نگرانی کرتا ہے اور بیوی بھی اپنے مریب کا معاون و دشمن برہتا ہے۔

وَسْتَ بِهِرَ ازْ غَابَانَ كُوَّاهَ نِيمَت

وَسْتَ اوْ جَزْ قَبْضَ اللَّهِ نِيمَت

(بیوی و مرشد کا یا تھا یا نہیں (مردان غیب) سے چھوٹا نہیں اور اس کے ہاتھ پر اللہ کا قبضہ ہے) علی ہذا زن و شوہر کا اتحاد اور بیوی و مریب کا تعلق بھی تقریباً یکساں اور بہت مشابہ ہدم ہوتا ہے کہ جس طرح باہم میاں اور بیوی ہم راز ہوتے ہیں۔ اسی طرح بیوی مریب کی حالت سے

ثیردار اور مریب بھر کا رازدار ہوتا ہے۔ بلکہ ظاہر ہے کہ جب تک زن و شوہر میں تجاذب رہتا ہے۔ نکاح کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ وہی صورت بھر و مرید کے تعلقات کی ہے کہ جب تک مریب محبوب ہے۔ بھر کے غوش و برکات سے مستفید نہیں ہو سکتا اور یہ تجاذب درحقیقت خود پرستی کا کام ہے۔ البتہ اس تجاذب غیر یت کو صرف محبت کا باقاعدہ اٹھا سکتا ہے اور جب یہ تجاذب انھوں نے تو مرید کو تصدیق ہو جاتی ہے اور جوش و جد میں زبان حال سے کہتا ہے:

ماک از عین المقصیں حق المقصیں را دیدہ ایم

از وطنل غنی و تکیک رہان فارغتم

﴿میں نے یقین کی آنکھ سے یقینی حق کو دیکھا ہے اس لئے میں ہر قسم کے شکوہ و شہادت اور دلائل ہمایہن سے فارغ ہوں﴾

اور یہ تو مسلمہ ہے کہ محبت کا نتیجہ آخر عینیت ہے جس کی شہادت خواجہ امیر خسرو کی حالت سے بخوبی ملتی ہے کہ صرف ان کے خلوص نے ان کو اس مرتبہ پر پہنچایا کہ آج بھر پرست ہونے کا مخصوص شرف بھی ان کو حاصل ہے اور مرید صادق کا ممتاز خطاب بھی ان کے مامنای کے ساتھ ہے لیکن

ایں سعادت بزرگ بارہ نسبت

نا نہ مخدود خدا نے بخشندہ

﴿یہ سعادت و خوش بختی بزرگ طاقت حاصل نہیں کی جا سکتی اور یہ اللہ کے لطف و کرم سے ہی ملتی ہے۔﴾

ایک روز خدمات مقررہ کی انجام دہی میں مشغول تھا کہ حضور نے مجھ کو دیکھا اور از راه بندہ نوازی فرمایا کہ ”تم اپنے والد کا عرس کرو۔“ میں نے کمال ادب مرغی کیا کہ ابتداء سے یہ را یہ خیال تھا کہ جب تک بھرا یوں میں رہوں گا عرس بھی کروں گا پوکا باب یہ راتیام وہاں نہیں پہاڑنے عرس کے انتظام سے بھی مجھ کو کوئی تعلق نہ ہو گا چاہیے۔ لیکن حضور نے سکر فرمایا ”میں وہ فقیر تھے۔ جا گا اور عرس کا انتظام کرو۔“ اور خاص سے ارشاد ہوا۔ ”چیزیں ہوتی چاہیں اور ایک بیجتی رنگ کی تھی یہ فرماسکر مجھ کو مرحمت فرمائیں کہ ”ہماری طرف سے چیز چاہیں اپنائیں گے اسی تھی دعویٰ میں دیوی شریف سے روانہ ہوا اور بھرا یوں بیٹھ کر عرس کا انتظام شروع کر دیا اور حسب معمول ۱۲ ڈی الجب کو انتظام عرس کے روز ایک گلابی چادر سربراہ شاہ کے

مزار پر اور بھتی چادر والد کے مزار پر چہار دنیا کی چادر باتی رہ گئی کیونکہ اس وقت تک روپی مزرا تھے۔ تاہم وہ چادر اس خیال سے میں نے محفوظ رکھی کہ یہ بے کار بیس آتی ہے ضرور اس میں کوئی راز مضموم ہو گا۔

پیشوائے بھارت کی ادارے یہ عرض بھی نہایت خوبی کے ساتھ ہو گیا بلکہ گذشتہ عرض کے اخبار سے کسی قدر انتظام زائد کرنا ہوا کیونکہ مہمان بھی زیادہ آئے اور اعلیٰ قصہ نے بھی غیر معمولی رُجھی می۔ چنانچہ ۱۹ ذی الحجه کو قتل ہوا اور ۲۰ ذی الحجه کو میں دیوبنی شریف واپس آیا اور بدستور اپنے فرانگی منصبی ادا کرنے میں مصروف ہو گیا۔

لیکن اتفاق سے ۱۳۶۱ھ جمادی الاولی پھر ہری کو بضرورت ایک ہفتہ کے واسطے پھر ایس پھر آیا تو حافظہ ملی بخش صاحب نے جو مسجد سہرا ب شاہ کے قریب رہتے تھے۔ اپنای خواب مجھ سے بیان کیا کہ ایک شب کو میں نے دیکھا کہ احادیث کی شرقی دیوار افتاب کی طرف سے مسجد میں آما چاہتا ہوں تو مجھ کو یہ کشہ نظر آیا کہ ہر دو مزار کے مابین پھریا کے درخت کے نیچے ایک درویش تہبند پوش اور گیمودور از شیر کا تکمیل گائے میٹھے ہیں۔ وہ شیر مجھ کو دیکھ کر حمل آور ہوا تو میں بھاگا اور پھر دروازہ کی جانب سے آئے کا قصد کیا تو دیکھا کہ وہی شاہ صاحب اسی بیت سے صحن مسجد میں تشریف رکھتے ہیں اس وقت میں نے آپ کو پکارا اور آپ مسجد سے باہر آئے تو وہ شیر بھی اور شاہ صاحب بھی اسی درخت کے نیچے روپوش ہو گئے اور آپ نے کہا کہ ذر و نہیں یہ شاہ صاحب کا مزار ہے اور شیر ان کی سواری کا ہے۔

یہ خواب ستر دوسرے روز اسی مقام پر قریب ایک گزر گیت کھد والی تو ایک قبر نظر آئی۔

میں نے اسی وقت نام اچودھری حبیب اللہ خان صاحب اور ماموں حاجی اشغال حسین خان صاحب اور بھائی چودھری ظفر الدین خان صاحب اور ماموں چودھری حافظ عبدالجید خان صاحب کو پلا کروہ قبر دکھائی اور مشورہ کیا تو سب نے بالاتفاق کہا کہ اس کو بلند کر کے بنوار بنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ مولوی قیام الدین صاحب کے فرق سے وہ قبر بھی بلند کر دی اور میں قبروں کے چهار جانب پنجتہ چھوڑہ بنوایا اور اس وقت وہ تیسری چادر جو میرے پاس محفوظ رکھی اس نوہ آمد قبر پر چہار دنیا اور معلوم ہوا کہ اس میں یہ راز مضموم تھا کہ جو قبر ہماری آنکھوں سے پوشیدہ تھی۔ وہ حضور کے پیش نظر تھی۔ بقول حافظ علیہ الرحمۃ:

مصلحت نیست کہ از پرده بروں افتراز

ورہ در مجلس شہابان خیر نیست کہ نیست

فراز آشکار کرنا قرینِ مصلحت نہیں ورنہ ان شاہوں کی محفل میں "نہیں" کسی چیز کا نام نہیں بھی
انھیں ہر بارست پر دسترس ہے۔

بعد کو ویرگ درائی سے حلوم ہوا کہ ہر چند سو راب شاہ قادر یہ سلسلہ کے درویش اور رحمت
الله شاہ صاحب کے مرید تھے لیکن ان کے سلسلہ چشتیہ کے پھر طریقہ کا یہی مزار ہے اور یہ مسجد بھی
انہیں کی ساختہ ہے۔

الف) حلی ۲ جمادی الثانی کو دیوبئی شریف میں حاضر ہو کر شرفِ قدیبوی سے مشرف ہوا
اور جدید قبر کا خاہیر ہوا بھی خدمت والا میں عرض کیا اور چند ماہ کے بعد اس ممال کے عرس کا انتظام
بھی اسی طریقہ سے کیا کہ حسب اجازتِ بنا ب حضرت ۲۴ ذی قعده کو پھر ایوں گیا اور بعد انتظام
عرس ۱۹ ذی الحجه کو دیوبئی شریف واپس آگیا۔

حلی ۳ ذی الحجه میں ۱۳ ذی الحجه ۱۳۶۲ ہجری کو پھر ایوں گیا اور حسب
و مقرر ۲۴ محرم سے عرس شروع ہو کر ۲۶ نومبر کو شتم ہوا اور ۲۸ نومبر کو معاشر چند اعزاء اور ان کی
مستورات کے پھر ایوں سے روانہ ہو کر ۱۹ محرم کو دیوبئی شریف میں جس وقت پہنچا اور خدمت
بائیکت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ زکام کی وجہ سے گونہ ہمارت اور کسی قدر آواز بھاری
ہے۔ ہر چند یہ شکایت ایسی نہ تھی کہ باعث تر وہ مگر خدام کو غیر معمولی طور پر منتشر پایا تو مجھ کو بھی
یہ خیال ہوا کہ مزان ناساز ہے۔ مہماں کو قدیبوی کا موقع بہت کم ملے گا اور خصوصاً عورتوں کی
حاضری تو یقینی روشنار ہو گی۔ اسلئے جو میرے ہمراہ آئے ہیں ان کا جلد سے جلد واپس
جانا مناسب ہے چنانچہ دوسرے روز سب کو خصت کر دیا۔

چونکہ شیدا میاں بھی بغرضِ شرکت عرس پھر ایوں گئے تھے اس لحاظ سے حضور نے
مجھ سے دریافت فرمایا کہ "شیدا کہاں ہیں" عرض کیا کہ وہ لکھنو میں پھر گئے۔ ارشاد ہوا کہ
"تاروکر بہاؤ" حسبِ احکام اسی وقت تاریخ اور اور راست کی گاڑی سے شیدا میاں بھی نہیں تھے
متوش اور منتشر آئے اور تپ میں ترقی دیکھی تو ۲۴ محرم کو مختلف مقامات پر عالمات کی اطلاع
ہڈ ریجستان روی گئی اور ۲۷ سے ۲۸ تک پندرہ سے مولوی محمد بیگی صاحب و جسٹس سید شرف الدین
و هarem پور سے نواب عبدالکوہر خان صاحب عیگڑھ سے بابو نیالی صاحب اور حافظ حسن خان
صاحب، مخلع سلطان پور سے راجہ دوست محمد خان صاحب، زمانیہ سے حاجی وصی الزمان خان
صاحب آگئے اور علاوہ ان کے جس کو حلوم ہوا کہ حضور کا مزان ناساز ہے وہ فوراً حاضر
ہوا۔ چنانچہ روزہ روز میں درروالت پر خلامان وارثی کا جووم ہو گیا اور سب کی متفق رائے سے ۲۸ محرم

کو حکیم عبدالعزیز صاحب للہفتو سے بلا نے گئے اور با تابعہ علماں شروع ہوا۔
حکیم صاحب نے ذات الحجہ تجویز کیا اور ایک لشکر خیامندہ کا اور ایک قیر و ٹپی کا لکھا جس کو نواب عبداللہ خورخان صاحب نے اپنی مگرائی میں اسی وقت تیار کر لیا اور وہ ساز مخصوص کے پکدہ ہر ایک لشکر بکمال احتیاط اپنے سامنے ہوا تے تھے اور یہ سعادت انھیں کو انسیب ہوئی کہ آٹھ وقت تک اس حدودت کو جناب موصوف نے انجام دیا۔

لیکن با وجود یہ رفتہ خیامندہ بھی استعمال ہوا اور قیر و ٹپی کی متوالیں اس بھی کی گئی۔ مگر کسی قسم کا فائدہ محسوس نہ ہوا بلکہ ۲۷ رینگ کو جب بجائے افاق کے مرٹیں میں ترقی دیکھی اور ضعف بھی زیاد ہو گیا۔ اس وقت حکیم صاحب نے نہایت غور و فکر کے ساتھ لشکر میں کافی ترمیم کی اور تقویت کے واسطے سپہر کو جواہر مہرہ، معتدل بھی کھلایا۔ مگر شب کو تپ پرستور رہی اور اخراج بلغم میں بھی کوئی آسانی نہ ہوئی حتیٰ کہ ۲۸۵ رینگ کو بھی شدائد مرٹیں بدستور رہے تو حکیم صاحب نے خیامندہ کا لشکر جدید کھانا اور مختلف طور پر خارجی تدبیریں بھی کیں۔ مگر وہنہ با دام خلکی میں نہود کا مخصوص بیٹھی آیا کہ بجائے فائدہ کے مرٹیں بڑھتا ہیا۔

۲۶ نومبر کو مریدین و معتقدین کا درودلت پر اڑو حرام تھا اور اس مجمع میں چونکہ ہر طبقہ کے لوگ تھے جن میں وہ پانچ مقتدر طبیب بھی تھے۔ ان کی رائے یہ ہوتی کہ حکیم عبدالعزیز صاحب حاذقی اور تحریک کار طبیب ضرور ہیں لیکن چار روز کے مسلسل علماں سے جب کوئی افاق محسوس نہیں ہوتا بلکہ روزہ روز شدائد مرٹیں میں ترقی ہے اور جس رفتار سے ضعف ہے تو رہا ہے اس کو خطرناک کہا جائے تو یہ جانہ ہو گا۔ اسلمی مناسب، حلوم ہوتا ہے کہ اب دوسرے طبیب سے رجوع کیا جائے ورنہ خدا نخواستہ حرارت فریزی میں آئندہ انتظام ہوا تو پھر اس کا بھی موقع نہ رہے گا۔

چنانچہ دیگر مقتدر حضرات نے بھی اس رائے کو پسند کیا اور بالآخر خان ملت نے یہ تجویز کیا کہ حکیم عبدالحقی صاحب رئیس قصہ ہے جو نہایت قابل طبیب ہیں اور بجا ڈل عقیدت جناب والا کی عیادت کے واسطے حاضر بھی ہوئے ہیں۔ ان کا علماں کیا جائے۔

الغرض اسی وقت سے علماں تبدیل ہوا۔ شلامان وارثی نے بکمال شکر گز اری حکیم عبدالعزیز صاحب کو خصت کیا اور حکیم عبدالحقی صاحب نے اس احتیاط سے لشکر مرتب کیا کہ وہ علماں وارثی جس کو فن طب میں کافی و ترس تھی اور اپنے اپنے ولی میں مشہور طبیب تھا ان کو بھی شریک کیا اور ہر امر میں ان سے مشورہ کیا اور وہ بھی اپنے ہاتھ سے تیار کی جس کے استعمال سے

گونہ سکون اسی روز ہوا اور ۲۸ تاریخ کو تو خلاف امید استغراق فاقہ ہو گیا کہ تپ بھی بہت خفین آئی اور پغمبھی آسانی خارج ہوا پر دیکھ کر جملہ حلقة گوش صورت کے جوش میں سجدہ شکر بجا لائے اور امید ہوئی کہ اب صحت میں ترقی ہو گی۔

اس روران میں جس طریق سے علاق میں اہتمام بلیغ تھا اسی صورت سے اس کی بھی کامل احتیاطی تھی کہ حسنور کے گرد و پیش بچو خدام اور تمارا روس کے نام لوگ مجتمع نہ ہوں اور تمارا را بھی زیادہ بلند آواز سے با تیس نہ کریں جو درحقیقت قتل آسا کش اور باعث تکلیف ہوتی ہیں۔ ہبیں وہی یا انتظام تھا کہ عام طور پر لوگ حاضر نہیں ہو سکتے تھے اور روزہ روزہ پر دولت پر اعلیٰ ارادت شوق زیارت میں بے جسمی تھے لیکن مزان ہمایوں سے اس فاقہ اور سکون سے ان کو یہ موقع مل گیا کہ خدمت بام کت میں حاضر ہو کر حلقةِ خلائی میں داخل ہونے لگے۔ اسی اثناء میں ایک شخص درہ خیر (انگانستان) کا باشندہ نہایت مختصر و بیقرار حسنور کی خدمت میں پرانے وار حاضر ہوا۔ بقول

ناشتکان سوئے حضرت شہزادہ

عقل در آشیان و جان برداشت

«عاشق ان کی جانب کچھ اس کیش و مستی اور بذب سے جاتے ہیں کہ عقل کو ظراہراً ذکر کے جان بھیلی پر دھر لیتے ہیں۔ ۴۷۶

اور آبدیدہ ہو گر زبان پشوٹ میں کچھ عرض کیا جناب حضرت نے اس طالب صادر کو تہبید فقر مرحمت فرمایا اور شاہ خطاب عطا ہوا اور شاہ ہوا ”جاو۔ سیر گرو، دوسری صورت نہ دیکھنا۔“ اس حق نیوش نے حالت وجود جوش میں قد ہبوں ہو کر عرض کیا:

چکونہ شکر توان گفتہ این کرامت را

کر خلعت شہ نالم جین گدا نہ سد

و آپ کی اس کرامت کا شکر یہ کیسے ادا کروں کہ شاہ عالم کی خلعت فاخرہ اس فقیر تک پہنچی ہے۔ ۴۷۷

قدیم خدام سے حلوم ہو کر پہلے بھی یہ طالب را فقر حاضر ہوا تھا اور تعلقات دنیا سے دست بہدار ہوا چاہتا تھا جناب حضرت نے اس کی بیعت توںی۔ مگر فرقہ کی نسبت یہ فرمایا کہ رخصت کر دیا تھا کہ ”ابھی جاؤ تین برس کے بعد آتا۔ اس وقت تہبید بھی دیں گے۔“ چنانچہ وہ س سالہ حدت اب ختم ہوئی تھی کہ وہ خدا شناس پھر حاضر ہوا اور ہمارے صادق الائقرار پیشوں نے اپنا

و بعد وفا کیا کہ نسلع فقر اور خطاب شاید مرمت فرمائیں کو فناز المرام کر دیا۔

ہر چند اس انعامی کی پہلی حاضری کے واقعات بھی عجیب و غریب خردوں میں لین
جنوف طوال اس ان کو چھوڑ کر اسی قدر عرض کرنا ہوں کہ اس باخیر اور ذمی ہوش تہبند پوش کا ایک غیر
معمولی واقعہ یہ ہے کہ جب خرتہ وارثی پہن کر چاہ تو پہلے دروازہ تک جاتے ہر شخص نے دیکھا مگر
صدر دروازہ پر گومتھہ و حضرات موجود تھے اور بھتی میں اور بھتی کے باہر اشیش تک آئندہ درونہ کا
سلسلہ ایسا تھا کہ نا حالات کسی وقت بند نہ ہوا مگر یہ تہبند پوش نے دروازہ پر کسی سے ملا اور نہ بھتی
میں کسی سے ملاقات نہ ہوئی اور نہ راستہ میں اشیش تک کسی نے اسکو دیکھا۔ بلکہ ہنوز پہنہں، حلوم
ہوا کہ یہ سیاح زندہ اور کہیں مقیم بھی بے یا جان بحق تسلیم ہوا۔ چنانچہ عمدی علیہ الرحمۃ کا یہ شعر اس
قد راس مفتقة والخبر کے حسب حال ہے۔

این مدعاں در طبعش تجیر اند

کا زاغہ خیر شد خیش باز نہ آمد

(*) طالب اپنی طلب میں کچھ اس طرح مختلس ہیں کہ جسے کچھ ملتی ہے پھر کسی کو اس کا پتا نہیں
ملتا۔

۲۹ محرم کو بھی حکیم عبدالجی صاحب کا وہی نسخہ دیا گیا اور جناب والا کی طبیعت چونکہ
بنائش و تکمیل تو اکثر اعلیٰ ارادت حاضر خدمت ہوئے اور راہنمائے برحق نے ان کی حمایت اور
و شکری فرمائی۔ ناگاہ ایک معمرا دھنیا ایک شاید بھی حاضر ہوئے اور قد ہوں ہو کر منکرت میں
شاید کوئی اشلوک پڑا جس کے اثر سے خود مکیف ہو گئے۔

چنانچہ جناب والا نے باوجود اس ضعف و نقاہت کے اس طالب صادق
کو اقرار تو حید اور تلقین استغفار کے بعد اپنے سلسلہ میں واصل کیا اور پوچھا کہ تمہارا کیام ہے؟
سادھو بھی نے عرض کیا اے مرشد ذمی اساس اس بے انتہا فتنہ کو نیم داس کہتے ہیں لیکن یہ
لقب تو محاذی ہے حقیقی نام اس ناجی نلام کا وہی ہو گا جو حسنور تجویر مفرما کیں گے بقول:

بندہ را نام غوشنگ نبود

ہرچہ ماں قب کنی آئم

(*) بندے کا اپنا کوئی نام نہیں جو لقب آپ مجھے دیں گے میں وہی ہوں۔

جناب حضرت نے اس حق شخص کی حالت پر مزید عنایت فرمائی کہ نعلا وہ وارثات
قلبی کے اس کے ظاہری لباس میں بھی تبدیلی منظور ہوئی۔ خادم خاص سے ارشاد ہوا کہ "تہبند

اور لگوٹ بھی ان کو زیرِ دُل اور نہایت ضعیف آواز سے اس عاشق جانباز کو یہ نہایت فرمائی کہ اب تمہارا مام رسول شاہ ہے۔ دنیا کے واسطے کوئی کام نہ کرنا اور خدا کی محبت میں جان رینا۔ ”۔ چنانچہ اسی سال طلبِ الہی میں رسول شاہ صاحب کو معظمہ سمجھے اور حج بیت اللہ سے مستقیض ہوئے بقول:

مور مسکین ہو سے واشت کہ در کعبہ رسد

دست در پائے کبڑا زد ناگاہ رسد

﴿بے چاری چیزوں کعبہ جانے کی آرزو مندرجہ وہ کبڑے کے ہیروں سے پست گئی اور ہشم زدن میں وہاں جا پہنچی﴾

پلک بعد ادراخے حج مدینہ متورہ کے راستہ میں ان کو یہ سعادت انصیب ہوئی کہ وہ محل یار کی جستجو میں اس دارفانی سے ملک چاولی کو روایت ہوئے۔ سبحان اللہ! ایک ساعت کے فیضانِ صحبت نے خاک سے پاک کر دیا۔ جو ایسا رہیں مسکن گزین ہوئے۔ حیات اپنی پائی۔ یہاں اپار ہو گیا۔ سچ ہے بقولِ محدث علیہ السلام:

دست در دامن مردان زن و اندیشه مکن

ہر کہ باوح نہیہ چ غم از طوفان

وہاں تک میں مرد کا دامن تمام لے اور کوئی اندیشہ مت کر جو کوئی سفینہ نوح میں سوار ہوا سے طوفان سے ڈرانے کی گیا ضرورت ہے۔

علی ہذا اور متعبد دارِ اندیشہ بھی خدمتِ بارہ کت میں حاضر ہوئے اور ان کو بھی جتاب حضرت نے داخل سلسلہ فرمایا لیکن بعدز وال حسنور کی طبیعت پھر مختخل اور نہ حال ہو گئی۔ حکیم صاحب نے دیگر تداریخ سے اشتداد پیپ کو روکنا پاہا مگر ان کی کوئی کوشش موڑ رہ جوئی اور تمام شب میزانِ بدستور ناساز رہا۔ ۲۳ مارچ کو بدستورِ حج کے خیابانوں کے ساتھ بعض محررات کا بھی استعمال ہوا مگر جب کوئی فخر سوہنہ نہ ہوئی تو حکیم صاحب مایوس ہو گئے اور کہنے لگے کہ طبیعت استغفار ضعیف ہے کہ وہاں پانچ میل نہیں کر سکتی۔

اسی عرصہ میں حکیم نصیر الدین صاحب وارثی متولی اماؤہ نے نہایت پر جوش الفاظ میں جملہ حاضرین سے مخاطب ہو کر یہ کہا کہ شام سے میں یہاں حاضر ہوں اور بار بار یہ خیال گزرتا ہے کہ میں نے نہیں طلب کس دن کیلئے حاصل کیا ہے۔ اگر آج چھتوڑائے دین کی معمولی خدمت سے بھی محروم رہا تو میری اس حلمات کا عدم وجود ہے اور ہے۔ اللہ امتند فی ہوں کہ آپ

حضرات از راہ عنایت مجھ کو استقدار اجازت مرحت فرمائیں کہ میں بھی قسمت آزمائی کروں اور ایک نئے لکھوں جس کو پر مقنود معاون بھی ملاحظہ فرمائیں اور بعد ترمیم و اصلاح اگر مناسب متصور ہو تو اس کا استعمال کیا جائے ورنہ پاک کر دیجیے گا۔ حکیم نصیر الدین صاحب کی اس خلوص آمیز تغیری کا ایسا گہرا اثر ہوا کہ اخوان ملت نے بالاتفاق کہا کہ حکیم صاحب آنے والا افراطی حیثیت ہم نلامان وارثی کو یا متحقاق مساوی ہے کاپنے رہنمائے کمال کی محنت و تندیرتی کے واسطے جو کافی کوشش ہو ضرور کریں۔ اصلیہ ہمارا یہ خیال ہے کہ حنور کی محنت کی نسبت کوئی خدمت نہیں۔ علوم ہوتی جو ہمارے دوش بدوش آپ نہ کر سکتے ہوں۔ بہت ممکن ہے کہ آپ یہ کا خلوص آتا ہے ہمار کو پسند آجائے اور وہ بندہ نواز صحبت ظاہری کی جانب طبیعت رجوع فرمائیں۔ لہذا ہم خوشی کے ساتھ عرض کرتے ہیں کہ جس طرح آپ نے اس مبارک خیال کا اظہار کیا ہے اسی طرح بغیر کسی انتظار کے لئے کی تریب میں عجلت فرمائیے۔ قول:

آن دم ک دل عشق دی خوش دھے بو
درکار تیر ماجت، پیچ استخارہ نیست

﴿جس لحظہ دل عشق کو دے دیا جاتا ہے وہ بہت خوش قسمت لمحہ ہوتا ہے اور نیک کام میں استخارہ کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔﴾

چنانچہ حکیم صاحب موصوف نے اسی وقت ایک نسخہ پینے، ایک جوارش کا، ایک گولیوں کا، ایک قیر و می کا، ایک لٹنے کا لکھا جس کے ہر جزو پر حکیم یعقوب بیگ صاحب، حکیم عبدالحی صاحب، حکیم منصب علی صاحب، حکیم جیل الحق صاحب نے غور کیا اور ان حضرات کے مشورے سے تھوڑی ترمیم کے بعد ہر ایک نسخہ کامل سمجھا گیا اور فوراً ان کی تیاری کا انتظام ہوا اور بعد عصر پہلی خوراک پلاوی گئی۔

اب ہر شخص ہمہ تن گوشہ آواز تھا کہ تغیریب یہ مژده سنی گئے کہ حکیم نصیر الدین صاحب کا علاج موافق مزاج ہوا مگر ہماری بد شفیتی سے معاملہ ہمکیں ہوا کہ بجا نے سکون کے شدائد مرغی میں ترقی ہوئی اور ہور شفیع سے حنور نے ناموٹی اختیار فرمائی۔ اگر کسی وقت کوئی بات کی بھی تو ایسی ضعیف آواز ہے کہ جس کا سمعنا اور سمجھنا بھی خدام کو دشوار تھا۔ یہ حالت دیکھ کر اطمینان تسلکر ہوئے اور اکثر تذہیب میں کیس گھر کوئی کوشش بکار آمد نہ ہوتی۔

ہر چند شدائد مرغی ماتقابل ہر واشت تھے لیکن حنور نے کمال استقلال سے وہی عاشقانہ شان دکھلائی جو آپ کے مسلمان کی مخصوص صفت ہے کہ بھر مکوت و جمل کے آپ کے کسی

غسل سے انطرار کا حمنا بھی اظہار نہیں ہوا۔ بلکہ اطباء نے بھی اگر پوچھا کہ مزان کیسا ہے تو نہایت اطمینان سے ہی ارشاد ہوا کہ اچھا ہے۔ لیکن دوسرا بخش اعتماد کو تصریح کیا تو قبلہ عالم نے بھلا بھی کسی تکلین کا ذکر کبھی نہیں فرمایا اور کسی حالت میں حرف شکایت زبان پر نہیں آیا۔

بلکہ اس عالالت پر موقوف نہیں ہے۔ حسنور کا صبر و تحمیل ہمیشہ آبائی رشاد و تسلیم کا نمونہ رہا جس اور آپ کے عادات میں ہے کہ کبھی مرش کا اظہار نہیں کیا اور نہ کبھی اس کے درستے یقین رہے۔ خدام کو انداز سے اگر کسی تکلین کا انتیاز ہوا تو پا صرار تمام علاج کیا۔ وہی صورت اس عالالت میں پیش آئی کہ حسنور نے کسی تکلین کی تصریح نہیں فرمائی اور اس آفری لمحہ کے استعمال کے بعد بھی جو مرش کی شدت ہوتی اور تغیر سے اس کا ازالہ نہ ہو سکا تو شاید اس کا بھی سبب ہو کہ شکایت کا گلیظہ الکشاف نہ ہوا اور اطباء مجبور ہو گئے حتیٰ کہ حرارت غریبی سرعت کے ساتھ انحطاط پذیر ہوتی اور امید صحت منقطع ہونے لگی۔

عصر کے بعد شدت ضعف سے ابتکام انسان میں غیر معمولی تغیر ہوا اور وہ ذکر خاص جس کا اخفا حسنور نے ہمیشہ بکمال اختیار فرمایا تھا۔ بُطْهَ کی وجہ سے اس کا اظہار ہونے لگا اور اسی دوران میں بعض ایسے کلمات بھی جناب حضرت نے فرمائے جن کے مشتموم سے خدام نے یہ قیاس کیا کہ شاید اسی رات کے آفری حصہ میں ہماری حسرت میں پا مال اور ہمارا شیرازہ ملکرو ہو جائے گا چنانچہ بعد مغرب اس حالت میں اور ترقی ہوتی اور وقتاً فوتاً ہماری بد نصیبی کے آثار پڑھتے گئے۔

نصف شب کے بعد اطباء نے لمبا طریقہ پر ہمیز ایک ہفتہ سے پانی کا استعمال جو منوع گردانا تھا۔ وہ اختیار غیر ضروری بھی اور حسنور کو پانی پلایا گیا لیکن قابل حیرت یا امر ہے کہ ہر چند ضعف پہلے سے اس وقت بہت زیادہ ہو گیا تھا۔ مگر وغناً آپ کے مقدس انسان تیز رفتار بھی ہوئے اور توگی آواز سے اثبات حضرت احادیث جل جلالہ کا اظہار کرنے لگے جس کا جملہ حاضرین پر بھی خاص اثر ہوا اور اس فیضان والی سے ہر شخص بقدر حیثیت مستفیض ہوا لیکن ہم بے کے بعد حکیم یعقوب بیگ صاحب نے بیض دیکھی تو بیتاب ہو کر وہ نے لگے فیضو شاہ صاحب بشر ہتھ امار میں پانی ملا کر لائے اور ایک چھپے حسنور کو پلایا مگر وہ سراچھپے تو وہ غزوہ نہ ہوا۔

اس وقت میں بھی جناب والا کے پاس حاضر تھا اور ایک ہاتھ سے سر القdes کی حرارت اور ایک ہاتھ سے قلب اظہر کی حرکت دیکھ رہا تھا اور فیضو شاہ صاحب بھی قریب بیٹھے

تھے اور شیدا میں اور بابونیا لال صاحب چہرہ اقدس کے سامنے اور حافظاً محمد شاہ صاحب پاکیں
کفرے تھے اور قریب پہچاں سامنے حلقة گوش منورب اور خاموش استوارہ تھے کہ ماگاہ سرکار عالم
پناہ نے ایک تسلیم سانس تھیں اور قریب قریب پندرہ نیس منٹ کے بعد جب وہاں ہر نکلی تو صاف
طور پر دیکھا کہ وہ سانس ہمگ سبز اور قبلہ عالم کی ہم شبیتی جو قیامت خضری سے جدا ہو کر شب
جہاد کو سوا چار بیکے واصل ذات حضرت الوہیت ہوئی۔

اَللّٰهُ وَالٰٰلُّهُ رَاجِعُوْنَ -

جیف در چشم زدن صحبت یار آفر شد
روئے گل سیر خدیدم و بہار آفر شد

﴿۱۷۹﴾ افسوس! پلک جھکتے ہی وصال یار کی گھریاں بیت گنج اور ابھی جی بھر کے چہرہ گل دیکھا بھی
نہیں تھا کہ موسم بہار تمام ہو گیا۔

لیکن اس سامنے قیامت خیز کے بعد حاضرین کی حالت ایسی حیرت انگیز نظر آئی
جو عجیب بلکہ عجیب تر تھی۔ اسلئے کو فراق یا رعنوم اشائق ہوتا ہے چہ جائیکہ ایسے شاہدِ رواز کی
مقارت غیر معمولی مصیبت تھی اور یہ در داک حادث اگر ارادتمندوں کو اس وقت بلاک کر دیتا تو
بعید نہ تھا۔ کیونکہ ان کی آنکھوں کے سامنے ان کا ڈرمن مر او بیش کیلئے تباہ وہ بارا وہو گیا۔ کل
جو کان برمیش کے کام سے موسم تھا۔ آن وہ بیت الحزن اور ماتم کہہ بن گیا لیکن یہ کسی قوت
کا مدد کا کر شدہ تھا کہ جملہ حلقة گوش دم بخود ساکت اور خاموش ہو گئے۔ اگر یہ گان کیا جائے کہ
کفرت غم اور فور حزن و مال کے اثر سے ان کا یہ حال ہوا کہ تختیر و محبوبت ہو گئے تو یہ بھی نہیں کہہ
سکتے کیونکہ اسی کے ساتھ یہ بھی ہے کہ اس وقت کان میں جو حاضر رہا یا بے ویقہ اور نہ ہوا اور
جب وہی شخص صدر روز روازہ کے باہر گیا تو زار رزار فرنے لگا۔

بہر کیتے کوئی جب کیوں نہ ہو مجرماً قعده یہ ہے کہ چند ساعت سکوت کا نام رہا اور جب
یہ کیفیت فرو ہوئی تو حسب نظرت سب خدام ملوں فخر و نیون ہوئے اور اپنے آتا نے نادر کے
گر وہ پیش ناکھر حاضر رہے۔ صحیح کوہشورہ ہوا کہ آپ کا جسد پاک کس مقام پر پسرو دھاک
کیا جائے۔ ایک گروہ جس میں بعض رئیس بھی تھے ان کی یہ رائے ہوئی کہ شاہ اولیس کے
گورنریاں میں مزار بنا لیا جائے ورنہ پختہ کان بیکار ہو جائے گا۔ دوسرے گروہ کا جس میں فقرا،
بھی شامل تھے یہ ذیال ہوا کہ اسی کان بیکار ہو جائے گا۔ دوسرے گروہ کا جس میں کیونکہ جناب حضرت
نے متواری فرمایا ہے کہ ”فقیر جہاں مرے ہیں اس کو فتن کرو دیں“۔

بکد اس گروہ نے اپنے خیال کی تائید میں بطور اس واقعہ کا حوالہ دیا کہ بدمام شاہ جو پہلے خادم خاص اور بعد کو موضع کھیولی میں گوشہ لشکن تھے۔ ان کے انتقال کی خبر جب حضور کو ہوئی تو شیدا میاں اور تاضی بخشش ملی کو یہ حکم ہوا "جا وہ دام شاہ کو عسل دیکر اسی مقام پر دفن کرنا جہاں وہ مرے ہیں" اور ایک رنگین تہبند اور لگوٹ ان کے کفن کے واسطے مرمت ہوا۔

اتفاق سے انکا انتقال بالاخانہ پر ہوا تھا اور قبلہ عالم کا یہ حکم کہ جہاں مرے ہیں وہیں دفن کرنا تو اس کی تصریح کیلئے تاضی بخشش ملی نے یہ عرض کی کہ حضور چھت میں ان کی قبر کیونکر بنائی جائے گی؟ جناب والا نے یہ سمجھ کر کہ تاضی صاحب نفس مشفوم کو نہیں سمجھے بغرض ہبھیہ بکر را رشا فرمایا کہ "میں جہاں مرے ہیں وہیں ان کو دفن کیا جائے"۔

اب دمام پر بیٹاں تھے کہ اس فرمان کی تصریح کیوں نکر کی جائے آفریدا میاں نے عرض کیا کہ حضور آثار سقفاً میں بدمام شاہ اس طرح دفن ہو سکتے ہیں کہ اسی مقام کے تخت میں قبر کھودی جائے اور چھت بھی اسی قدر رکاث کر بدمام شاہ کو اپر سے قبر میں گراویں۔ اس پر حضور القدس نے یہ ہدایت کی "مرد، کو تکلین نہیں دیتے گرانے کی کیا ضرورت ہے مجھے لا کر اسی مقام پر دفن کر دیا۔" چنانچہ اس حکم کی تعمیل اسی طریق سے ہوئی۔ لہذا ہمارے مجتبہ حقیقی نے جب کہ اپنے خادم کی قبر اسی مقام پر ہوائی تو لازم ہوا کہ سرکار عالم پناہ کی آرائگا، اسی مقدس گوشے زمین میں ہو جہاں دم آخوند آپ نے استراحت فرماتی ہے۔

گو حضرات سابق الذکر کو سمجھی اس ہدایت والرثی کا بخوبی علم تھا لیکن اپنی تجویز میں ترجمہ نہ کی اور پسند نہ ہوا کہ یہ پہنچتے خانقاہ حضور کی آرامگاہ بنائی جائے ہر چند بتا لہر یا لوگ اپنی کثرت اور وجہت کے اعتبار سے ہر طرح کی قوت رکھتے تھے بکر دوسرا قلیل اعتماد گروہ نے خدا نے ہر تر وتو ما کی امداد اور بھروسہ کیا اور اس خدمت کیلئے آمادہ ہو گئے کہ بقدرا۔ کان اس فرمان کی تعمیل خرکریں گے جس کی جناب حضرت نے متواری ہدایت فرمائی اور اگر ہمارا یہ ارادہ غبار تھا نیت سے آلوہ نہیں ہے تو یعنی افضل الہی شامل حال ہوگا اور ہمارا خیال پورا ہو کر ہے گا اور انشاء اللہ جناب والا اسی گوشے زمین میں ہمیشہ آسودہ رہنا پسند فرمائیں گے جہاں اس وقت نکارہ جمال شامِ مطلق میں محاور مستقر ہیں۔

بس فوراً یہ حلقة گوش فرمانبرداری کے بوش میں کھڑے ہو گئے اور حضور کا جسد اطہر معاں مقدس بستر کے شرقی صحنی کے قریب لائے اور آپ کی جائے استراحت پر قبر کا نشان لگا کر کھو دئے کا حکم دیا۔ اسی عرصہ میں سب اسکے تھانے قصبه کری معہ چند کاشتیں اور

چو کیدار ان کے آئے اور قبر بنا نے کی ممانعت کی اور وہ مزاحمت پڑتا ہی کہ سید محمد احمد اسیم کی درخواست آتی ہے کہ تم لوگ حاجی صاحب کا کان خراب کرنا چاہتے ہو۔ جواب ان کے درناء کی ملک ہے۔

ان لوگوں نے اپنی مانع تھا نہ دار کو سمجھا رہا کہ جناب حاجی صاحب قبلہ کا مذاق و شرب یہ تھا کہ ہمیشہ تعلقات دنیا سے قطعی احرار رہا۔ بلکہ ذاتی ضروریات کے انتظام کو سکردا رہا اور حرام سمجھا۔ مثلاً خور و نوش کا یہ حال تھا کہ کھانا بھی جو کھلایا وہ اپنا نہیں۔ کوئی دوسرا شخص لایا تو آپ نے نوش فرمایا۔ کپڑا جو استعمال کیا وہ بھی اپنا نہیں۔ مرید یہ یعنی ہمیشہ تہبند تبدیل گرتے تھے۔ حتیٰ کہ جو تہبند زیر بحث ہوا اس کو بھی نہیں رکھا۔ جدید تہبند لانے والے کو مستعمل تہبند مرحمت ہوا کرنا تھا۔ علی ہذا بودھیا ش کے واسطے کان بھی نہیں ہوا۔ ہمیشہ دوسرا کے کان میں رہے۔ چنانچہ یہ کان بھی حصہ اسی آسانی کے واسطے مرید یہ یعنی نے ہوا یا تھا اور مرید یہ یعنی ہی اس کو آپ کی دلائی آ رکا۔ گاہ بنا تے ہیں۔ لہذا آپ کی یہ سادہ زندگی یا دگار رہے ہیں اور تاریخ کے صفات میں اس کا ذکر بھگا کر سیبی دا سے متعدد صفات اپنی تھیں جس نے تعلقات حالم سے اقتلاع کیلی فرمایا۔

یعنی کہ سب اپنے اس وقت تو واپس گئے مگر تھوڑے عرصہ میں پھر آئے اور کہا کہ اس کا کیا جواب ہے کہ بھتی کے اندر قبر بنا کا نونامنوع ہے؟

پاپو کتبیاں ایں صاحب نے کہا کہ واقعی حد و زینو سکلی میں اس کی اختیاط ہے کہ عام طور پر قبریں نہ ہٹائی جائیں لیکن یہاں میوں پلٹی نہیں۔ اب تھا نہ دار مزاحمت سے دست بردار ہوئے مگر سنایا ہے کہ پھر اسی مخصوص کی درخواست حاکم شائع کو دی گئی اور جب ہیاں سے بھی کامیابی نہ ہوتی تو پھر یہ کیا گیا کہ با اڑا شخص کے ذریعہ سے مزدوروں کو قبر بنانے سے روک دیا۔

جب مزدور چلے گئے تو ایں ارادت نے اس خدمت کو بھی انجام دیا اور کسی نہ کسی طرح سے پیشوائے برق کی قبر اپنے ہاتھوں سے بنا کر تیار کی اور عسل و سیر نماز کیلئے ہر چند انتظام کیا کہ لوگ صرف بستہ ہو جائیں مگر کان کے اندر اس کثرت سے ہندو مسلمان تجمع ہو گئے تھے کہ شانہ بیانہ دشوار تھا جو شخص جہاں کھڑا رہا وہیں کھڑا رہا۔ مجبور اسی کو صرف بندی خیال کیا گیا اور حافظ عبدالقیوم صاحب کرامی نے نماز پڑھائی اور قریب پائجی بجے اس مجسم نور الہی کو پر دعا کیا۔ بقول:

گویا مجرم زین کشاوند

آن نور خدا در و زیاد

یادداشت (۱۷) حقوقدار

﴿وَزَمِنْ نَے اپنا جگر چاک کیا اور وہ نور خدا اس میں سما گیا۔﴾

لیکن جب اسی مکان میں مزار قدس تھیں ہو گیا تو حضرات سابق اللذکر کو سجادوں کا شوق ہوا اور وہ سرے روز خاص جلسے میں تحریک کی کہ سید محمد اہم ایم صاحب بیہاں کے سوارہ نشین ہنارے جائیں مگر بد قسمتی سے اس میں بھی اختلاف ہوا کیونکہ تحریکیں نے تو ذاتی طور پر یہ تجویز کیا تھا کہ مثل دیگر آستانوں کے بیہاں ایک سجادہ نشین ہوا چاہیے مگر غلطی یہ ہوئی کہ اس مقید رگروہ نے یہ خیال نہ کیا کہ ہماری تحریک مشرب وارثی کے بالکل خلاف ہے۔

چنانچہ متعدد ارجمندوں نے جس میں فخر رئے تہجید پوش اور خدام و قدیم حلقہ گوش بھی تھے اختلاف کیا اور اس مسئلہ سجادوں کو حضور کی ہدایت کے منافی بتایا اور کہا کہ رہنمائے کامل کا یہ ارشاد بھی ہم کو یاد ہے کہ جو سرکار عالم پناہ نے ہماری ہدایت کے واسطے با ربارفرا ملایا ہے کہ: ”ہماری منزل عشق ہے۔ اسلئے ہمارا کوئی خلیفہ اور سجادہ نشین نہیں ہو سکتا جو تم سے محبت کرے وہی ہمارا ہے۔“

اور یہ بھی کہا کہ ہماری طرح آپ حضرات بھی واقف ہیں کہ یقیناً وارثی تحریر میں آچکا ہے اور وہ تحریر جسٹس سید شرف الدین کے پاس محفوظ ہے جس کا ذکر کتاب یعنی *الیقہ* مطبوعہ ۱۳۱۱ ہجری میں بصراحت درج ہے۔ اسلئے ہمارے سلطان دین کا کوئی سجادہ نشین نہیں ہو سکتا۔ ابتدی اگر انتظام آستانہ پاک کیلئے غلامان وارثی کسی کو منتخب کریں تو غیرت ارادت اس کی منتظری ہے کہ اس کو سجادہ نشین نہ کیں جو ہمارے مشرب کے صرخ خلاف ہے بلکہ اس کے واسطے اگر متولی، دیوان، صاحبزادہ، مفتخر، منتظم یا کوئی اور ممتاز خطاب تجویز فرمائیں تو ہم کو کوئی غدر نہ ہو گا اور آپ کے انتخاب کو قدر کے ساتھ تسلیم کریں گے۔

جب ارباب جلسہ کے اختلاف آراء سے یہ حلوم ہو گیا کہ عہدہ سجادوں مشرب وارثی کے قطعی منافی بجاوے مریدین بالا جماعت کسی کا سجادہ نشین ہوا پسند نہ کریں گے تو انہوں نے اس کی کوشش کی کہ سید محمد اہم ایم صاحب کسی طرح احرام پوش ہو جائیں مگر احرام پوشی اس وقت تامیل احرام ہو گئی جب حاجی صاحب قبضہ کا کوئی قدم یقین فقیر ان کا لباس تہذیل کرائے۔

بالآخر اس کام کے واسطے معروف شاہ صاحب کو تجویز کیا اور بعض حضرات نے ان کو سمجھایا کہ ہم لوگ بغرض انتظام سید محمد اہم ایم صاحب کو منتخب کرتے ہیں۔ مگر مناسب یہ حلوم ہوتا ہے کہ منتظم تہجید پوش ہو۔ امید ہے کہ آپ ان کا لباس تہذیل کروں گے۔ شاہ صاحب موصوف نے ان کی استدعا مذکور فرمائی اور سوم کے روز بعد قرآن خوانی اور قل وغیرہ کے معروف

شاہ صاحب نے حاضرین کو خاطب کیا اور کہا کہ یہ مسلمہ ہے کہ حسب ارشاد جناب حضرت یہاں کا کوئی سچارہ نہیں ہو سکتا لیکن خود اس کی ہے کہ انتظامی خدمت کسی کے پر دل کی جائے۔ اسلام سید محمد ابراء یتم کو بطور منتظم مقرر کرتے ہیں لیکن یہاں کی تقریبات معینہ میں زمان کو تصرفات کا حق ہو گا اور نہ تنظیم سابق میں ترمیم کا اختیار ہے جو شخص جس خدمت کیلئے مأمور ہے وہ بدستور رہے گا۔

مگر افسوس اس کا عملدار آمدنہ ہوا بلکہ خود سید محمد ابراء یتم صاحب نے اپنے مام کے ساتھ سچارہ نہیں بھی لکھا اور خدام بھی اپنے عہدوں سے معزول ہوئے۔ خدا کی بنان نظر آتی تھی کہ اوہ تو حصول اخراج کے انتظام میں یہ محویت تھی کہ سجاوی کے جوش میں مشربی احکام فرماوٹ تھے اور ادھر نہ لامان وارثی کی حرمتیں جب پامال ہوئیں تو اس لجراثش واقعہ ہے وہ انقلاب ہوا کہ ارادتمندوں کی زندگی خراب ہو گئی۔ کوئی دلکار ارتعاشت سے وہت بردار ہوا۔ غریب الطفی منتظر کی خوبیش و احباب سے دور رہنے لگا کوئی علمگین گوشت نہیں ہوا۔ صدرہ فراق نے اس کو زندہ درگور کا مصداق کیا۔ کسی تقریر خاطر نے دیا نہ ہوا سحر انوری اختیار کی۔ خدام کا شیرازہ منتشر ہو گیا۔ ہر گھر میں رنج والم سوز و گداز کا چہرہ چاہتا۔ ہر طرف سے آہ و نفخان کی آواز آتی تھی۔ کوئی نوجہ نہوان تھا۔ کسی نے مریضہ لکھا۔ چنانچہ اس تجھنے نے بھی بطور یا و واشت یہ قطعہ باریخ تالیف کیا:

حاجی وارثہ علی شاہ زن سید و سردارِ کل، گروں جناب

حاجی وارثہ علی زبانوں کے شاہ ہیں۔ آپ زمان آسمان کے مددار ہیں۔

آنتاب تقریب دین، خُج ڈلی شرقي و غربی ز ذات فیضیاب
تقریب اور دین کا آنتاب اور بدعت کی خلیج ہیں۔ ان کے وجود بارہ کرت سے اہل شرق و مغرب نے فرش پایا ہے۔

خر و اقلیم تسلیم و رضا جلوہ سبھیں و شان بہ تراپ
آپ تسلیم و رضا کی سلطنت کے فرمازو، حستین کریمین و رہبرت علی کرم اللہ وجہہ انکریم کی شان کے مظہر ہیں۔

بے نیاز از ہر دو عالم ذات او شاق و معشوق و فرد و لا جواب
ان کی ذات روپوں جہانوں سے بے نیاز ہے وہ مثالی ماشیں، مثالی معشوقی اور بے شل خصوصیت ہیں۔

چنگلی بکھد ج نہمان طریق پختہ را در لختہ سازو کا میاب
آپ نے طریقت کے بوواردوں کو پختہ پن دل، ورن پختہ کاروں کو ایک لمحے میں کامیاب نہ دل۔
شرح او صاش چ آرم در بیان آفتاب آمد دلیل آفتاب
ان کی صفات کامیان میں کم لدھ کروں، سورج کی دلکشی تو سورج سے عی دی جائیں گے
صحح آدینہ کم شہر صفر آن صفحی اندادتہ بر رخ نقاب
آدینہ کی صحح ماہ صفر کی پہلی نارخ کو اس صفت الادعاف نے چھبے پتقاتب دال دیا۔
غرق خلعت شد جہان از بحرنش لظم نالم گفت از اقلش خراب
آپ کی رحلت سے دنیا ناریکی میں دوب گئی۔ آپ کے وصال سے دنیا کا نظاہم ہو رحم ہو گیا۔

ہر طرف شور و نفاث اندر جہاں خلق را شد روز چوں روز حساب
جہان میں ہر طرف آہ و فناں کے لے بلند ہونے لگے۔ لوگوں کیلئے وہ دن روز قیامت کا دن
ہو گیا۔

قد سیان بر جرش و انسان بر زمین ہر دو عالم ازمش وا ضطراب
آسمان پر فرشتے اور زمین پر انسان، دلوں جہاں دن کے ٹھم سے مغلظہ ہو گئے۔
مہ رخاں را در نوش جان اگلکب عاشقان را از فراش دل کہاں
چاہد چہرے سان کے ٹھم سے گھٹا گئے، اور طاہنے والوں کے دل ان کی فرقت سے کہاں ہو گئے۔
ہر نارخ چیمیں او گفت بکت پس چہا شد آفتاب اندر جتاب
جب او گفت نے نارخ کیلئے کہا تو آیا کہ ”سورج نہیں پردہ کیوں ہو گیا۔“

(۱۳۴۳)

الغرض بعد فاتحہ سوم جب خلامان والی اپنے اپنے دل جانے لگے تو میں نے بھی
جناب شاہ نفضل حسین صاحب سے مرض کیا کہ مجھ کو کیا کس اچا ہے۔ جناب مدوح نے فرمایا کہ
تم حمارے واسطے بھی مناسب ہے کہ پیشوائے برحق کے حکم کی تعمیل کرو اور اپنے والد کی قبر پر رہو
اور یاد رہے کہ اس لہاں کی نگاہداشت میں اگر ناتمام برداشت و اتعات بھی پیش آئیں تو پاے
استقرار کو لغزش نہ ہو۔ چنانچہ اپنے شفیق ماسک کی یہ تسبیحت سن کر اسی روز سرکار عالم پناہ کے مزار
پر انوار سے رخصت ہو کر دیوئی شریف سے چلا اور ۱۳۴۳ ہجری کو چھرا یوں میں آ کر
مسجد سہرا ب شاہ میں رہنے لگا۔

جب حباب میرے مستقل قیام سے آگاہ ہوئے تو ان کی کوشش سے احاطہ مسجد میں ایک حجرہ بھی قبیر ہو گیا اور والد ماجد کے عرس کا زمانہ آپ تو اس میں ایک تاریخی میں نے اور بڑی حادثی جس کو اپنے مولا کے نام پاک کے ساتھ منسوب کیا اور اس سال سے متعدد کونسٹرکٹ کے قل کے بعد عرس کی تقریب ختم ہونے لگی اور اسی سال سے اس تقریب میں فماں ترقی ہوئی کہ محہان بھی زیادہ آنے لگے اور ان کے آرام و آسانی کا ضروری سامان بھی مجتمع ہو گیا۔

الغرض مابعد آستانہ پاک کے اختتام میں اور کیا کیا انقلابی صورتیں پیش آئیں اور مقبرہ شریف کیونکر قبیر ہوا اور سچا دیگی کا داشت ہمارے شرب کے شفاف دامن سے کپ اور کیونکر چھپا اور بارگاہ وارثی کی رونق اور ترقی کیلئے ذی حوصلہ ارادتمندوں نے کس اولوالعزمی سے کام لیا اور میں نے سفر جاز و عراق کیونکر کیا۔ یہ تعلق حالات اگر کار ساز حقیقتی کو منتظر ہے تو دوسرا جلد میں نگارش کروں گا۔

لیکن اس فتح کو تقریباً چار سال تک جو آستانہ قدس پر حاضری کا موقع ملا یہ سعادت میرے عمال کی خوبی کا نتیجہ نہ تھا۔ بلکہ پیشوائے برحق کی محض بند ہوازی اور پرورش تھی۔ ورنہ مجھے ایسا سُگ و نیا اس لائق ہرگز نہ تھا کہ اس مقدس مقام پر اس کا گذر بھی ہوتا اور والد اس کے اگر کی مجال نہ تھی کہ دراقدس کی جاروب کشی کا خیال بھی کرتا جو درحقیقت میرے اور میرے آپ و اجداد کے فخر و مہابت کے واسطے کافی ہے اور فی الواقع بھی عرصہ زندگی میرا جو بارگاہ وارثی کی دربانی میں گز را اس قابل ہے کہ اس کو سرمایہ زکیوں تو بے جانہ ہو گا۔ بقول:

اگر بہر مونے تھن گرو زبانے
زتو راتم پر بہر یک واسٹانے

﴿اگر میرے ہن کے ہر بال کے ساتھ زبان ہوئی تو ہر ایک سے تیری ایک ایک واسٹان بیان کرتا۔﴾

اور آج بھی اس دراقدس کا اگر کوئی تمنا ہے تو یہ ہے کہ تیری عمر اسی دراقدس کی دربانی اور اسی آستانہ پاک کی جاروب کشی میں کئے۔ بقول:

جائے آئت کر جان ہر سرگوہتہ بازم
غاک درگاہ پر تو ہر تارک سر اندازم

﴿یہ جگہ ہے کہ جہاں کو تیرے کوچے میں راؤ پر لگا ریا جائے اور تیرے آستانے کی خاک پر
ڈال دوں۔﴾

اللہ اپنی زندگی کے اس حصہ کا حال نگارش کر چکا ہو رہ تھا میری زندگی کا خلاصہ اور جس پر میری زندگی کے ماں کا انعامار ہے۔ البتہ اس چند روزہ حاضری کے دوران میں جو مستعد اور غیر معمولی اصرفات دیکھائیں کو مطلع تھریر کرنے میں یہ خیال ہے کہ اگر با ترتیب نگارش کروں تو خیمہ فخر ہو جائے گا اور غالباً ہذا حضور کی ہدایات اور ارشادات کی بھی تعداد کم نہیں ہے اسلئے ان کو بھی بالتفصیل نہیں لکھ سکتا اور علاوہ اس کے اکثر مفہومات انوان مدت کی تائیفات میں شائع بھی ہو چکے ہیں یا بعض ایسے ارشادات ہیں جن کو شرب و مسلم کے ممبر اتفاق بےان کی بلا علاوہ اشاعت خلافِ علوم ہوتی ہے لیکن فی الجملہ اس کی بھی ضرورت و کھانی دیتی ہے کہ اس سلسلہ میں بعض واقعات کا بھی ذکر ہو اور چند مفہومات بھی لکھے جائیں۔

مگر اسی کے ساتھ یہ بھی عرض کروں گا کہ میری مدد و وفا قیمت نہ اس کی متنازعی ہو سکتی ہے کہ در دوست کے جملہ واقعات اور پیشوائے الحق کے قبائلی اصرفات لعل کرے اور نہ میری استعداد اوس لائق ہے کہ ان اصرفات کی حقیقت اور ماہیت کماہنہ بیان کرے۔ گیناکہ روزانہ کافی دستور قائم کر مختلف حیثیت اور مختلف خیال کے ارادتمند حاضر ہو کر حسب استعداد فیضان وارثی سے مستغفیض ہوا کرتے تھے۔ مگر انہیں ارادتمندوں میں اکثر حضرات کی طلب اور معاملات کو حقانیت اور روحا نیت سے ایسا سر و کار ہوتا تھا جس کی تحریک اور تصریح کرنا تو یقینی ناممکن ہے بلکہ ان پر اسرار واقعات کا تو مجلا ذکر کرنا و شوار ہے۔ اسلئے وہ اصرفات جو روز و اسرا رے معمور ہیں اور وہ ارشادات جن کا نکات مضمونی سے مر و کار ہے ان کو تحریر میں لانا قطعی میرے امکان سے باہر ہے۔

البتہ مجھے ظاہر ہیں کا تو یہی منصب ہے کہ وہی حالات نگارش کروں جو بظاہر ہمارے فہم و ادراک کے لائق ہوں جیسا کہ طالبان الہی کا عام طور سے طلاق نمائی میں واصل ہونا جس کا سلسلہ قریب قریب ہر وقت جاری رہتا تھا۔ مگر مشکل یہ ہے کہ معمولی واقعات میں اکثر ایسے رموز و اسرار پائے گئے جن کا ہماری عقول میں آنے محال ہے چنانچہ باہر ہا ایسے بھی طالب خدا آئے جو مختصر و مقرر اور یا نہ وار زبان حال سے کہتے تھے۔

جز تو کس در جہان نبی خواہیم
بے وصال تو جان نبی خواہیم

﴿آپ کے سوا مجھے جہان میں کچھ نہیں چاہیے اور اگر آپ کا وصال نہ ہو تو جان کی ضرورت بھی نہیں ہے۔﴾

پلکہ یہ کہنا شاید غلط نہ ہو کہ بارگاہ وارثی کی معمولی بات بھی اپنی حقیقی حیثیت میں غیر معمولی بات کی احیت سے کسی طرح کم نہ تھی۔ مثلاً ایک صاحب پڑی بھیت سے آئے اور حسب اجازت درگاہ شاہ ولایت صاحب میں قیام کیا اور بعد اور نماز ظہر وہ داخل سلمہ وارثی ہوئے۔ مگر نماز عصر کیانے ان کو شاہ فضل حسین صاحب نے بایا تو انہوں نے جواب میں کہا کہ جناب شاہ صاحب میں تو مرید ہو چکا ہوں اب نماز کیسی بقول

جو دل تاریخ میں بت سے لگا چکے

وہ صحیفہ چھوڑ کے کہہ کوچا چکے

شاہ صاحب نے فرمایا کہ مرید ہونے کے بعد آپ نماز کیوں نہیں پڑھیں گے جو فرض ہیں ہے۔ وہ سارہ مزانِ صحیر ہو کر بولے کہ میں نے تو یہ سناتا کہ جناب حاجی صاحب قبلہ کے مرید کو نمازِ معاف ہو جاتی ہے اسی وجہ سے میں یہاں آیا اور حلقہِ خلائی میں داخل ہوا۔ شاہ صاحب موصوف نے مجھ کو بانا کر فرمایا کہ ان کے خیالات فاسد ہیں۔ خدا کے واسطے سمجھاؤ کہ نماز پڑھیں۔ چنانچہ میں نے ان سے دریافت کیا تو نماز پڑھنے کا سبب وہی مجھ سے بھی بیان کیا۔ میں نے کہا کہ آپ نے ہیر و مرشد سے بھی اجازتی ہی بنتے کہا "یہ تو نہیں کیا۔" میں نے کہا "بغیر ان کے معاف کئے نماز کیونکہ معاف ہو جائے گی۔ اگر وہ کہ دیں تو چھوڑ دیجئے ورنہ اس حکم خداوندی کو آپ خود کیوں مگر چھوڑ سکتے ہیں۔"

میرا یہ کہنا ان کی سمجھ میں آگیا اور اسی وقت میرے ہمراہ رکار عالم پناہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ میں نے جنابِ حضرت سے یقین فرض کیا تو فضورِ منکرے اور فرمایا کہ "اگر تین برس اور نماز پڑھو۔ پھر چھوٹ جائیں۔" اور مخصوص طریقے سے درود و شرایف پڑھنے کی ہدایت فرمائی۔ وہ صاحبِ نہایت مسرور ہو کر واپس آئے اور بکمال خصوص و خشوع نماز عصر ادا کی اور شاہ فضل حسین صاحب سے کہا کہ جناب میری نماز بھی اب تین برس کے بعد چھوٹ جائے گی۔

پھر دوسرے سال میلہ کا نک میں وہ حاضر ہوئے تو ان کی حالت پر دیکھی کہ ہر وقت با فضور ہتھی ہیں اور درود و شرایف کا ورد ہے اور ذوق و شوق میں نماز ادا کرتے ہیں۔ مگر تیرے سالی وہ میلہ میں نہیں آئے تو وہی گوہر خان صاحب وارثی رئیس پڑی بھیت جب حاضر ہوئے اور ان سے دریافت کیا تو طلوم ہوا کہ ان کا انتقال ہو گیا۔ شاہ فضل حسین صاحب نے جناب کیا تو اس نمازی کے انتقال کی تاریخ وہی تھی جس روز تین سال پورے ہوئے تھے جس کو دوسرے لفظوں میں یہ کہنا چاہیے کہ ہمارے بعد نماز پڑھوانے اپنے اس مرید صادق کوتار دم مرگ اور

نماز کیلئے تحکم فرمایا تھا جس وقت جماعت عصری سے روح کا متعلق چھوٹ گیا۔ اس عادہ خدا شناس سے نماز بھی چھوٹ گئی لیکن تین سال کی قید لگانا یا اس واقعہ اسرار اور مقبول پروردگار کا کام ہے جو مختار اُنہی سے خوار ہو۔ وہ ہمیشہ وہی کہتا ہے جو حق تعالیٰ مقدمہ رکا را وہ ہوتا ہے۔ بقول

کفر و کفر اللہ بورو

گرچہ از حلقوم عبد اللہ بورو

فَإِنْ كَيْدَ اللَّهُ كَايْدٌ أَفَرَدًا إِنَّمَا يَعْلَمُ مَنْ هُنَّ
كَيْدٌ إِنَّمَا يَعْلَمُ مَنْ هُنَّ

اسی مضمون کا ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ مشی سید نجم الدین صاحب رحیم بالگے پور جو نہایت مقدس اور خدا شناس شخص تھا اور ایک مرتب بلاخواہ عقیدت دیوی شریف میں حاضر ہوئے تھے۔ جب حضور بالگے پور شریف لے گئے اور غوثی صاحب سے ملاقات ہوئی تو موصوف نے بکمال اوب یا استدعا کی کہ میری نماز چھڑا اور بچھے۔ جناب حضرت نے فرمایا کہ مشی ہی نماز چھوڑنے کی وجہ نہیں ہے ”وَمَا حَلَقَتِ الْجِنُّ وَالْأَنْجَنُ إِلَّا يَعْبُدُونَ“ مشی صاحب نے مرغ کیا کہ اب نماز عبادتا نہیں بلکہ عادتا پڑھتا ہوں اور اسی نماز بے سورہ حلوم ہوتی ہے۔ سرکار عالم پناہ نے فرمایا کہ ”مشی صاحب و مخدوم اسی میں ہے کہ مرتنے ممکن نماز پڑھے جاؤ۔“ چنانچہ چند روز کے بعد صین نماز عصر کی تیسری رکعت میں اتنا تال ہوا۔

ملی ہذا ۱۳۶۰ ہجری کا واقعہ ہے کہ جناب سے ایک مولوی صاحب آئے اور صدر رورواڑہ کے بلاخانہ میں جہاں ذپی سید نجم الدین صاحب وارثی و ذپی تاشی طیف عالم صاحب وارثی پہلے سے متعتم تھے۔ مولوی صاحب بھی ایک جانب تھرا گئے۔ دوسرا روز بعد نماز ظہر مولوی صاحب نے ان دونوں ذپی کلکڑوں سے کہا کہ تم نے نماز کیوں نہیں پڑھی کیا۔ حلوم نہیں ”فَمَنْ تَرَكَ الشَّلُوةَ مَعْنَى مَا فَقَدَ مَخْفُرٌ“ بے نماز یوں کی تہیب کیلئے حبیب رب العالمین یعنی کافر مودہ ہے۔ بلکہ میں نے ساہے کہ جناب حاجی صاحب بھی نماز نہیں پڑھتے ہیں۔ چنانچہ اسی کے متعلق ان سے گفتگو کرنے آیا ہوں۔ مولوی صاحب کا یہ بیہ کا نہ کلام سن کر دونوں ذپی کلکڑوں نے مجھ کو بار کریہ قصہ کہا اور خواہش ظاہر کی کہ ہم کو روسری چلے تھہرا دو۔

میں نے مولوی صاحب سے دریافت کیا کہ آپ کا گیا مام ہے، کہاں سے اور کیوں آئے ہیں؟

تو پنجابی بچہ میں فرمایا کہ میر امام عبداللہ ہے اور اس نے ملکان سے آیا ہوں کہ حاجی صاحب سے نماز کی بابت گفتگو کروں۔ کیونکہ نمازوں میں مثنی کی تھوڑی ہے۔ کیا نہ نہیں ہے کہ ”اویں پر ش نمازوں“ اور یہ مسلمہ ہے کہ اگر نماز خارج از واجہہ اسلام ہے۔ قول:

**خلاف پتھر کے رو گزید
کہ ہرگز بخول خواہد رسید**

﴿جو کوئی طریقت نبوی کے خلاف چلے گا کسی طور بھی منزل پنیں پہنچ پائے گا۔﴾
میں اسی وقت مولوی صاحب کو سرکار عالم پناہ کی خدمت میں لے گیا تین وہاں
مولوی صاحب خاموش بیٹھنے رہے۔ جب واپس آئے تو پھر کہا کہ مجھ کو حاجی صاحب کے پاس
لے چلو وہ کہاں ہیں۔ میں نے کہا ابھی تو آپ ملاقات کر کے واپس آئے ہیں لیکن خیر دوبارہ
چلے اور پھر مولوی صاحب کو لے گیا۔ اس مرتبہ حنفی نے فرمایا کہ یہ کون ہیں۔ عرض کیا۔ یہ
ملکان سے آئے ہیں۔ ”ارشاد ہوا کہ“ پلٹو ٹھہر و پھر ملاقات ہو گئی۔

عرض اسی طرح تین مرتبہ مولوی صاحب بحثاب حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے
اور واپس آ کر یہی کہا کہ حاجی صاحب کہاں ہیں ان سے کچھ بتیں کروں گا۔ آخر پڑھی مرتبہ
حاضر ہوئے تو سرکار عالم پناہ نے فرمایا کہ مولوی صاحب بیٹھو۔ مولوی صاحب فوراً قدہ ہوں
ہوئے۔ پھر حنفی نے فرمایا کہ ”مولوی صاحب سے“ وین جاری ہے اور اسلام کے یہ حاجی ہیں
”اور پھر مولوی صاحب سے مطالب ہو گرا شاد ہوا کہ“ جب تم نے کافی شروع کیا اور استاد نے
پڑھایا کہ الگنت لفظ تو تم نے کہا کہ جب گلمہ ایک لفظ کا نام ہے تو اس کا پڑھنا بیکار ہے
۔ ”پھر فرمایا کہ“ مولوی صاحب تم نے اپنے والد کا کتب خانہ تالاب میں ڈبوریا۔ ”اور شاد
ہوا کہ“ مولوی صاحب فی الفیس کم افلات پیغمروں کے معنی جانتے ہو؟“۔ مگر مولوی
صاحب خاموش اور کسی خیال میں بھر تی مستغق بیٹھنے رہے۔ پھر حنفی نے دریافت فرمایا کہ
شب کو مثنوی مولانا روم کون پڑھتا تھا۔ میں نے عرض کیا کہ یہی مولوی صاحب پڑھ رہے تھے
کسی قدر تر شروع ہو گر بحثاب والا نے فرمایا کہ ”مولوی صاحب سمجھ کر پڑھا کرو۔ ورنہ
چھپوڑو۔ مثنوی کا مخفیوم اگر نہ سمجھے تو نہ پڑھئے۔“ اس کے بعد مولوی صاحب کو رخصت کرو۔

اس مرتبہ بالا خانہ پر آ کر مولوی صاحب کچھ عرصہ تک تو ساکت رہے پھر حالت
وجہ میں مثنوی شریف کا پہلا شہر پڑھا اور جوش میں کھڑے ہو کر تحسیں کرنے لگے اور یہ مانع
مولوی صاحب ایسا چھے کر دیکھنے والے تحریر تھے کہ پہلے تو بالا خانہ پر یہ مانع ہوتا

یاوارتے (۶۷) نووارتے

رہا پھر اتر کر درود لش پر عرصہ تک مولوی صاحب یا ناچ ناچ۔ پھر قصہ کی گلیوں میں مانچے پڑے اور بار بار کہتے تھے کہ اب خوب سمجھ گیا۔

چنانچہ اسی صورت سے آنحضرت اور وہ ماں ختم نہ ہوا اور اس عرصہ میں مولوی صاحب کو نہ اپنے کپروں کا ہوش ہوانہ کھانے کی فکر ہوئی، نہ پانی کی تلاش اور نہ کسی وقت نماز کا ذیال آیا۔ بلکہ یہی ایک شعر کے

بُشْوَ ازْ نَهْ چُونْ حَكَيْتَ مِيكَدْ
وَ زَ جَوَاتِيْ بَا شَكَيْتَ مِيكَدْ

﴿سنوکہ با تسری کس طرح اپنی داستان سناتی ہے اور اپنی جدائی کا شکوہ کرتی ہے﴾
پڑھتے تھے اور بار بار کہتے تھے خوب سمجھ گیا۔ بلکہ کسی نے اگر کہا کہ مولوی صاحب نماز پڑھ لیجئے تو جواب میں کہتے تھے کہ تم اپنی نماز پڑھو۔ میں پڑھ پکا ہوں اور اب نمازیمری یہ ہے۔

حَرَمْ دَرْ سَجَدَهْ هَرْ دَرْ حَدَارَمْ
جَزْ أَيْنْ دَرْ قَبَلَهْ دَيْغَرْ حَدَارَمْ

﴿ہر در میں اپنے سر کو سجدہ میں نہیں فال دینا کیوں کہ اس در کے سوا میرا کوئی اور قبده نہیں ہے﴾
اور جس وقت زیادہ بیقرار ہوتے تھے تو حالت جوش و اضطراب میں زار زار ہوتے اور کہتے تھے

قَادِرَا بَهْ جَمَالْ خُوشِشْ بَهْ لَكْنَ أَيْنْ پَرَدَهْ ازْ رَشْ بَهْ لَكْنَ
تَاجِنُورْ تَشِيمْ خُودْ رَهْ دَرْ وَجُورْ گَرْ رَكُوعْ آرَیِمْ شَادَانْ گَهْ تَحُودْ

﴿تا قادرا اپنے جمال کی خاطر اپنے چہرے سے یہ پردہ ہنا دےتا کہ میں خود کو وہ جو میں دیکھ لیوں اور خوشی و انہی ساطتے کبھی روکوں تو کبھی سجدہ ہے﴾

ہر چند مولوی صاحب کی حالت زار کا ہر شخص کو احساس تھا۔ مگر راجہ روست محمد خان صاحب وارثی نے ان کی پریشان حالت پر بار بار افسوس کا اظہار کیا۔ آنحضرت صوفی کے اصرار سے مولوی صاحب کو میں تالاب پر لے لیا اور خوب نہلایا۔ گوان کے وجد کا خمار غسل سے بھی با لگل فروٹیں ہوا لیکن اس دوسرے ہفتہ میں رفتہ رفتہ اناقہ ضرور ہوا اور جب کسی قدر رکون ہو گیا تو ایک روز بکمال ارب سرکار عالم پناہ کی خدمت ہامہ کرت میں حاضر ہو کر مولوی صاحب نے عرض کیا کہ واللہ کائنات میں ہر ذرہ آپ ہی کے نور سے معمور ہے یہی ثابت شیخ کو پا بند اسلام کرتی

بے اور سبھی صورت بہ تمن سے رام رام کھلواتی ہے۔ بتول:

از رندے و پارمائے تو
مختار و خانقاہ در رقص

(تیری پارسائی اور رندگی سے مخانہ اور خانقاہ دونوں رقصائیں ہیں)۔

آنکھے ناہار یہ خطاط شعار آپ کے گرم اور آپ کی عنایت کا امیدوار ہے اب
خاطری قرار کوتا ب انتشار نہیں۔ زندگی سے بیڑا رہوں۔ کیونکہ

خواب زخم من بھد زخم تو بست خواب من
نا ب نماز در حشم زلف تو مرد ۲۱ ب من

(میری آنکھوں کے خواب تیری آنکھوں سے مسلک ہیں یعنی تو آنکھ بند کرے گا تو میں خواب
دیکھ پاؤں گا۔ میرے وجود میں اب کچھ طاقت باقی نہیں کیوں کہ تیری زلف میری توہاتی لے گئی
ہے۔)

لہذا مستدی ہوں کہ اب شلام کو ہاس تقریب رحمت ہوا در تعلقات دنیا سے آزاد ہر ما بینے
جتاب حضرت نے یہ ارشاد فرمایا کہ۔ ”تم اپنے دکان جاؤ اور دین کا مدرسہ جاری کرو۔“
محض جب مولوی صاحب زیادہ مختصر و بیکفر رہوئے تو ارشاد ہوا۔ ”اگر خراب ہی ہوا ہے تو پہلے
پورب کی سیر کرو۔“ اس فرمان کی تفہیل کیلئے مولوی صاحب فوراً مستعد ہو گئے اور قد ہوں ہو کر
پورب کی سمت پلے گئے۔

یہ بھی عجیب واقعہ ہے کہ ایک شیاسی پختہ کے پنجابی درویش آئے اور میرے بستر کے
قریب پہنچ گئے۔ میں نے پوچھا کہ سادھو جی کہاں استھان ہے؟
کہا: ”بابا امرتسر سے آتا ہوں اور بارہ برس سے اس تلاش میں ہوں کہ کوئی نا رائیں کا
سیوک یہ تھا وے کہ زنگار اس ہمارے سر کے اندر ہے یا میری کے باہر جا کر ہم باہم توں نے
سمجھا یا مگر افسوس کہ میری تشقی نہ ہوتی۔ جب حاجی صاحب بابا کلام سن تو اسی خیال سے یہاں
بھی بھکاری ہیں گر آیا ہوں۔“

میں ان کو اندر لے گیا تو اتفاق سے اس وقت جنور کا بستر چمن میں تھا اور آپ کھڑے
تھے وہ سادھو جب دروازہ میں داخل ہوا جتاب والا کی خدا نما صورت دیکھی۔ اسی مقام پر وہ
زمین بوس ہوا اور عجیب کیفیت کے عالم میں افتاد و خیز اس تیریب جا کر پاؤں پر سر رکھ دیا۔ سرکار
عالم پناہ نے مجھ کو یہ حکم دیا کہ ان کو ٹھہرا دا اور ان کے کھانے کا انتظام کر دیا۔

بابر آگر میں نے کہا کہ مادھوچی تم نے کچھ دریافت نہ کیا۔ وہ آج بیوہ ہو کر کہنے لگے کہ بغیر دریافت کے جواب مل گیا۔ جس وقت دروازہ محلات میں نے مبارکی صورت کی ایک نوت وھری سے آ کاش تک دیکھی اور جب گردھی کے چون میں سر دیا تو جسم بشری پالیا۔ بس میری تسلیم ہو گئی اور جو آج تک نہ سمجھا تھا وہ سمجھ گیا۔

یہ بھی دیکھا کہ اکثر طالبین لباس نظری کی استدعا مانظور بھی فرمائی ہے اور بعد کو حلوم ہوا کہ مانظور اس وجہ سے ہوئی کہ ان کی طلب صادری اور خالصاً الوجہ اللذۃ تھی بلکہ کسی غرض پر مبنی تھی۔ چنانچہ ایک شخص نیپال کا باشندہ حاضر خدمت ہوا اور ملکی ہوا کہ مجھ کو تہبینہ مرحت ہو۔ پہلا ذمہ حضور نے فرمایا کہ پہلے اپنی جور و گور خاص مند کراؤ۔ جب وہ بابر آیا اور اس سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ جور سے لڑ کر آیا تھا اور اس درجی کی وجہ سے وہ فقیر ہوا چاہتا تھا میں ہمارے حقیقت شناس چیشوں نے اس کی باطنی حالت پر نظر فرمائی اور تہبینہ نہیں دیا کیونکہ شخص اس خالقی رنجش کے باعث اس نے ترک لباس کا ارادہ کیا تھا۔ خدا کی طلب نہ تھی۔ چنانچہ ایسے واقعات اور بھی گذرے ہیں کہ اکثر حضرات کسی صدر مکہ وجہ سے ترک لباس کرنے پر آمادہ ہوئے مگر حضور نے ان کو تہبینہ نہیں دیا اور جب کچھ عرصہ کے بعد اس اندھہ والم کا ازالہ ہو گیا تو پھر بدستور وہ اپنے کار و بار میں مصروف ہو گئے اور برخلاف اس کے ہمن کی طلب تھی ان کو تہبینہ بھی ملا اور ان کی حالت میں تغیر بھی نہیں ہوا۔

اسی دو روان میں سلسلہ صاحب یہ کے ایک معمر شخص درویش صورت مخلع اور مدد سے آئے اور رحیم شاہ صاحب کے کمرہ کے باہر سائبان میں ٹھہرائے گئے لیکن چار پانچ روز تک وہ اپنے بستر پر بیٹھے رہے جناب حضرت کی خدمت میں بھی نہیں حاضر ہوئے رحیم شاہ صاحب نے مجھ سے کہا کہ دریافت کرو یہ کون ہیں اور کیوں مقیم ہیں۔ میں ان کے بستر پر چل گیا تو دیکھا ایک ملعوبہ کتاب اردو کی ان کے ہاتھ میں ہے اور چند اہل دیہات معمولی طبقہ کے ان کے پاس بیٹھے ہیں اور شاہ صاحب سیر و سلوک کے قواعد ان کو سمجھا رہے ہیں اور درمیان نظریہ میں یہ بھی فرماتے جاتے ہیں کہ یہاں کوئی شخص نہ یہ نکات جانتا ہے اور زمان مقامات سے واقع ہے اور مرشد کی عنایت سے میں سب منازل سلوک طے کر چکا ہوں۔ بلکہ بہت بڑا مقام جس کا مام لا ہوتے ہے میں اس کی سیر کرنا ہوں۔ بقول:

مرث شاش درخت لاہوریم
گوہر درخت سن اسراریم

میں تھر لاہوت کی شاخ کا پرندہ ہوں اور روز و سارے کے خزانے سے ایک مولیٰ ہوں۔
پہلے تو میں بھی ان کی روحاںی تعلیم خاموشی کے ساتھ مستشار ہا۔ جب ان کے اس طرز
و طریق سے ظاہر ہو گیا کہ شاہ صاحب اپنی ذاتی ضرورتوں کو پورا کرنے کیلئے عمومِ انس کو اپنی
حکایت باطنی سے آگاہ کرتے ہیں اور چونکہ اس کام میں شب و روز صروف رہتے ہیں۔ اس
لحاظ سے سرکاری خدمت میں حاضر ہونے کا وقت ان کو نہیں ملتا۔

بالآخر میں نے کہا کہ جناب شاہ صاحب اگر تکلیف نہ ہو تو اپنے طے کردہ مقامات کا
مام آوتا ہے۔ شاہ صاحب نے نہایت کشاور پیشانی سے فرمایا کہ صاحبزادے کیا آج تک تم
نے سماں بھی نہیں کر طریقت میں مقامات فقر کے مام کیا ہیں۔ اگر تم کو شوق ہے تو میں تم کو سمجھائے
دینا ہوں یا درخواست اول مقام اس سوت، دو سیم ملکوت، سو سیم جرودت، چہارم لاہوت ہے جس کو یکے
بعد دیگر میں طے کر پچھا ہوں اور وہی مطبوعہ کتاب دکھا کر فرمایا کہ اس میں بھی انہیں مقامات کی
تصویح درج ہے اگر زیادہ اطمینان منظور ہو تو اس کو پڑھلو۔

میں نے عرض کیا کہ جناب شاہ صاحب افسوس ہے کہ جس منزل کا طے کرنا لازمی اور
ضروری تھا اور جس مرحلہ کو بغیر طے کئے کاملین میں شامل نہیں ہو سکتا۔ وہی مقام آپ سے چھوٹ
گیا۔ ورنہ ستر فورانیت آجائی کہ آپ ہوا پر از نے گئے۔ شاہ صاحب نے تھر ماں کو فرمایا کہ وہ
کون سام مقام ہے۔ میں نے کہا کہ اس مشہور و معروف مقام کا مام منزل کہا دت ہے۔ جس
مسافر راہ سلوک نے پیشو اگزار مقام طے کر لیا ہے اس کو سب منزلیں آسان ہو جاتی ہیں۔ ہر
چند سالک مقام کہا دت کے نو رانی پیغمبر پر پہلے فدائیت کے آثار ظاہر ہوتے ہیں۔ مگر آخر میں بقا
کا مردی اس کو ملتا ہے اور کان ٹکین میں پر ٹکف مسئلہ پر پیغام کروہ حقہ پیتا ہے اور بکمال اطمینان
بھیروں کی رہن میں کہتا ہے:

فَا كَيْمَى بَقَا كَيْمَى جَبْ اسْ كَيْمَى جَبْ اسْ كَيْمَى
بَكْمَى اسْ كَيْمَى مَيْمَى آمَّى بَكْمَى اسْ مَيْمَى جَمَّى بَكْمَى

شاہ صاحب نے تھر ہو کر فرمایا کہ آج تک اس مقام کا مام بھی نہ کسی فقیر سے نہ
اور نہ اس کتاب میں منزل کہا دت کا ذکر ہے۔ میں نے کہا جناب روز و سارے روح سفید نہیں
ہوتے۔ بلکہ یلم یہ ہے جو بغیر خدمت کے نہیں حاصل ہوتا۔ بتول

بَرْ كَهْ خَدْمَتْ كَرْ دَأْوْ مَنْدَمْ شَدْ
بَرْ كَهْ خَدْمَتْ رَأْ دَيْهْ أَوْ مَحْرُومْ شَدْ

﴿جو کوئی خدمت کرتا ہے مخدوم ہو جاتا ہے اور جو اپنی می دات کے سر میں بنتا رہتا ہے محرومی اس کا مقدر بن جاتی ہے۔﴾

چنانچہ میں نے برسوں خاک چھانی۔ تب ہر یہی جانشناختی سے اس مقام عالیٰ کو طے کیا ہے۔ ہرگز واسکس کی مجال نہیں کہ منزل کہاوتے طے کرنے کا خیال بھی کرتا اور آپ کی لفڑی سے تو یہ حلوم ہوتا ہے کہ اس کوچ میں قدم رکھنا بھی آپ کو مجال ہے۔ البتہ کسی باکمال شخص کی مسلسل خدمت کیجئے اور اگر افضل الی بھی شامل حال ہو تو شاید محراجے کہاوت کی خوبکریں کھلا آپ کو نصیب ہوں۔ ورنہ اسی بجزہ خارستے پھر اپر ہونا بہت دشوار ہے۔ کیا یہ مشہور مقولہ آپ نے سنائیں:-

درین ورطہ کشتی فروشنہ ہزار
کے پیدا نہد تختہ رمکنار

﴿خیرت کے اس سمندر میں ہزاروں کشمیں پکھواں طرح غرق ہو گئیں کہ ان میں سے کسی کا ایک تختہ تک باہر نہیں آیا۔﴾

یہ کہہ کر میں تو اپنے بستر پر چلا گیا۔ مگر شاہ صاحب کو منزل کہاوت کی سیر کا اس قد رشوق ہوا کہ جناب شاہ نفل کیمیں صاحب اور معروف شاہ صاحب اور شید امیاں کے پاس باہر بارگئے اور ان سے باصرہ کہا کہ آپ سفارش کر دیں کہ اوگھٹ شاہ مجھ کو منزل کہاوتے طے کر دیں۔ ان لوگوں نے بطور مذاق شاہ صاحب کو یہ سمجھایا کہ ہم بھی آپ کی سفارش کریں گے۔ مگر بہترین صورت یہ ہے کہ آپ جناب حاجی صاحب قبلہ کی خدمت میں حاضر ہو کر یا مستدعا کریں۔ قریبہ ہے کہ آپ کی خاطر قلد عالم ان کو ضرور یہ حکم دیں گے کہ ان کو منزل کہاوتے طے کر دو اور پھر اوگھٹ شاہ کی مجال نہیں کہ کوئی عذر کر دیں اور آپ کامیاب ہو جائیں گے۔

چونکہ منزل کہاوت کے شوق نے شاہ صاحب کو زخور نہ کر دیا تھا سلیعہ "ذیانہ را ہوئے بس است"۔ کامیابوں ہوا کہ ان کو بھی یہ صلاح پسند آئی اور اسی وقت سرکار عالم پناہ کی خدمت میں حاضر ہو کر مستدعی ہوئے کہ اللہ حکم فرمائیے کہ اوگھٹ شاہ مجھ کو منزل کہاوتے طے کر دیں۔ حضور نے مجھ کو طلب فرمایا کہ شاہ صاحب کا قصہ سناؤ اور مسکرا کر رشا دیوا کر اگر تم کو حلوم ہو تو منزل کہاوتے طے کر دو۔

میں نے باہر آ کر شاہ صاحب سے اقرار لیا کہ جو کہوں گا اس کی تعقیل کرنا ہو گی اس گروہیہ مقام کہاوت نے جب اس کو بھی قبول کیا تو میں نے یہ تلقین کی کہ آج سے نصف روپی

صحیح کو اور نصف شام کو کھایا کرو۔ شاہ صاحب نے وفور شوق میں ایسا یہ کیا تھا جن اسی کے ساتھ میں نے بھی اس روز سے نصف ہی روٹی پر قیامت کی۔ اسی ہفتہ میں شاہ صاحب کو اس مجاہدہ نے ایسا ضعیف کر دیا کہ کشست و برخاست میں تکلف ہوئے۔ جب ان کا یہ حال دیکھا تو مجھ کو ذیال ہوا کہ وگی میں صورت مال نہ پڑیں آؤ۔ اسی وقت جناب حضرت کی خدمت میں ان کو لے لیا اور عرض کیا کہ یہ مقام کہا دتے۔ طے کر آئے۔ حضور نے ذکر اسم ذات جاہلی تاحدہ سے ان کو تعلیم کیا اور فرمایا ”شاہ جی اب جاؤ“۔

شاہ صاحب اسی روز چلے گئے۔ مگر بعدہ حضور ایمڈ کے بعض حضرات سے معلوم ہوا کہ شاہ صاحب نے یہاں سے جا کر جملہ تعلقات منقطع کر دیئے اور بھل میں آزادانہ زندگی بسر کرتے ہیں اور ہر وقت وجہ اپنی حالت رہتی ہے اور اکثر ذکر اسم ذات بالجھر کرتے ہیں۔

اس واقعہ سے ایک سبق یہ ملا کہ با وجود یہ کہ یہ تصدیق را پاندھی تھا اور شاہ صاحب کو حضور کی خدمت میں حاضر ہونے کا مشورہ بھی مذاق ہی کے بیڑا یہ میں دیا گیا تھا کہ یہ جا کر مقام کہا دتے کا اشتیاق ظاہر کریں اس مذکورہ سے چند منٹ کیلئے حضور کی پہنچنگی ہو گئی اور ایسا ہی ہوا کہ شاہ صاحب کی یہ طلب سکر حضور مسکرا یہ بھی لیکن اس مذاق کی رسائی چونکہ دربار وارثی میں ہو گئی تھی اس لئے یہ مذاق بھی وہاں پہنچ کر مذاق نہ رہا اور تصریح وارثی سے یہ مذاق بھی ”صحت صائم اسلام کند“ کا مصدقہ ہو گیا۔

سعادتِ ابدی در پی ارادتِ تبت

چنانکہ عیدِ مبارک ز بعدِ ماہِ میام

﴿جس طرح روزوں کے بعد عید آتی ہے اسی طرح ابدی سعادت تیرے ارادے سے مسلک ہے۔﴾

فینماں صحبت وارثی نے طالب کہا دتے کی بھی ہمایت فرمائی اور تسبیت وارثی کے حقیقی اثر نے یہ کر شدہ دکھایا کہ ”آگ لینے کو جائیں پیغمبری ہو جائے“۔ کامیکھون ہوا۔ اس غیور شہنشاہ کو منظور ہوا کہ ہمارے فیض نام سے سادہ لوح بھی محروم نہ جائے۔ ظاہر ایک ذکر بھی تعلیم فرمایا اور بھائی تصرف سے ترک تعلقات کا دشوار گز امر حلہ ایسا کہل کر دیا کہ جب آسانی دنیا کے دامہ تر ویرے سے رہا ہو کرو ہا بلدر انقدر بھی ویران بھل میں مسکن گزیں ہوا۔ ”ذالک فضل اللہ یعنی اللہ، ملن بیشاء“۔

ایک روز قریب عصر ہندو فقرا کے لباس میں ایک صاحب آئے اور اسی اندراز کا تختہ

اسباب بھی ان کے ساتھ تھا۔ اتفاق سے میں اس وقت دراقدس پر حاضر تھا۔ ملنے کے بعد یہ فرمائش کی کہ جلد قدم بوسی کرو۔ ابھی واپس جاؤ۔ انہیں نے عجالت کا سبب پوچھا تو افسوس اور ایسا حالت میں یہ بیان کیا کہ مجھ کو حلوم ہوا ہے کہ سب کا حصہ تقسیم ہو رہا ہے۔ لہذا میں بھی آتا ہے امداد کے دراقدس پر اپنا حصہ لینے حاضر ہوا ہوں۔ اصل حصہ نہ ہو ما چاہیے۔ میں اسی وقت با رگا ہوا رٹی میں ان کو لایا۔ نوزوہ والان کے پاس نہیں پہنچ تھے کہ سرکار عالم پناہ نے دیکھ کر فرمایا کہ ”اچھا جاؤ“۔ فرمان سنکرائی جگہ وہ زمین بوس ہو کر واپس آئے اور اپنا اسباب اٹھا کر درگاہ کی جانب چلے گئے۔

اسی وقت تھا کہ پہنچم ٹکھے صاحب نے آکر یہ قصہ ساتوں مو صوف کو شوق ہوا کہ ان کا حال منسلخ دریافت کرنا چاہیے۔ چنانچہ اسی خیال سے تھا کہ صاحب اور میں درگاہ میں آئے تو وہ کھا وہ صاحب نماز پڑھ کر جانے کو ہیں۔ تھا کہ صاحب نے روکنا چاہا۔ مگر انہوں نے مخدرات کے ساتھ گہا کر میں مہاک متوسط کا باشندہ ہوں۔ مالک نے میرا حصہ دیکھ کر مجھ کو رخصت کر دیا ہے۔ ایسی حالت میں بھائی نہیں کہ قیام کرنے کا خیال بھی کروں اور مل کر فوراً چلے گئے۔

تلی ہذا میرے ماموں حاجی اشناق ہمیں صاحب کے خیالات میں جس قد رنجیات ہوئے وہ بھی خاص تصرفات وارثی کا کر شد تھا۔ گیونکہ وہ ہوا ماما حاجی احمد اول اللہ مہاجر بھی علیہ الرحمۃ کے مرید تھے اور علمائے دیوبند کی تقلید کے ہمیشہ پابند ہے۔ نہ بھی صوفیائے گرام کی تجمعات کی نہ فقرائے عظام کی عظمت ان کی نگاہ میں تھی۔ چنانچہ تادر شاہ صاحب وارثی جو پتھر ایوں میں عرصہ سے قیام پڑ پڑھا موسی صاحبان کے بھی قطعی خلاف تھے۔ جب وہ ملیل ہوئے تو میری وجہ سے اس قدر رحمائی کی کہ اپنی کوٹھی میں لاگران کا علاج کر دیا۔ مگر چوں کہ بدھن بہت تھے۔ اس لحاظ سے خود ان کی تدارواری میں کوئی حصہ نہیں لیا۔ بلکہ ان کو خیر سمجھ کر اس گوش میں جگد وی جس میں کاشکاری کا سلام رہتا تھا۔

لیکن تادر شاہ صاحب کی مدت حیات قریب اختتام تھی۔ علاج بھی مفید نہ ہوا اور جب اختسار کا وقت آیا تو ماموں صاحب کا بیان ہے کہ مسافر بھجو کر میں ایک آن واحد کیواں سطھ ان کے قریب گیا تو یہ تماشا دیکھا کر جس قدر ان کا لباس اور مستر بوسیدہ اور کثیف تھا۔ اسی قدر انکا پتھر نورانی اور وہ ناریک کرہ روشن تھا اور نہایت پسندیدہ خوشبو آرہی تھی اور ہر سانس کے ساتھ ڈکر اسی ذات جاری تھا۔ مجھ کو بہتر ہوئی اور فوراً خیال آیا کہ آج ان کی یہ شان و عظمت صرف حاجی صاحب کی نلامی کی ہے۔ میں نے یہ بھی پوچھا کہ کچھ کہنا ہے۔ تو شاہ

صاحب نے بکمال صبر و تحف جواب دیا کہ تم سے کیا کہیں جو ہمارا سنبھالا ہے اس سے جو کہنا ہے وہ کہدے ہے ہیں۔ تمہارا یہ کام ہے کہ جب روح نکل جائے تو اس مٹی کو جہاں چاہے بدل دینا اور تم تو حاجی صاحب کے پاس رہیں گے۔ اس لئکو کے بعد خاموش ہوئے اور زیادہ وقت نہیں گز راتھا کان کا انتقال ہو گیا۔

یونیورسٹی نیز واقعہ دیکھ کر ماں صاحب کی حالت متغیر ہوئی تھی کہ اسی اضطراری کیفیت میں دیوبی شریف آئے اور مجھ سے فرمایا کہ مریب کرو۔ میں نے ہر چند سمجھایا کہ آپ حاجی امداد اللہ صاحب کے وست گرفتار میں۔ اب اس کی خود رست نہیں کہ یہاں بھی بیعت کیجئے۔ مگر اس تحدیر میقرا رکھنے کے باوجود اصرار کیا۔ آفر مجبور ہو کر جناب حضور کی خدمت بامکن میں ان کو لیا گیا اور عرض کیا کہ یہاں سے ماں صاحب کے مریب میں اور آج آپ سے طالب ہوا چاہئے ہیں۔ سرکار عالم پناہ نے فرمایا: ”تم اور امداد اللہ دونوں ہیں۔ بلکہ تم اور وہ ایک ہیں۔“ ماں صاحب نے نہایت پر حسرت لہجہ میں عرض کیا کہ قبلہ عالم دوبارہ ہاتھ پکڑنا چاہتا ہوں اس وقت حضور نے اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دیا اور فرمایا: ”وَكُحُوبِيَّيْنِ امداد اللہ كا ہاتھ بہت سے بھی محبت رکھو“ اور دو روز کے بعد رخصت کر دیا۔

ماں صاحب سے بعض ان کے احباب نے دریافت بھی کیا کہ آپ مکر رکیوں مریب ہوئے تو ماں صاحب نے بھی جواب دیا کہ اول تو اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ جناب حاجی صاحب کے مریب کا انجام اچھا اور بہت اچھا ہوتا ہے۔ جیسا کہ تاور شاہ صاحب کا ہوا۔ حالانکہ مجھے اگئے ساتھ ہو، نہیں تھا۔ مگر ان کا خاتمہ ایسا دیکھا کہ مجھے مدامت ہے کہ ایسے خوش انجام شخص سے مجھے خصوصت تھی۔ آج تک تجھر ہوں کہ ان کے انتقال کے وقت وہ کمرہ منور اور معطر کیوں ہو گیا تھا اور ان کی تجھیز و تکفیر میں اس قدر رجوع کیوں ہوا اور یہ لوگ کہاں سے آئے۔ سوائے اس کے کہ جناب حاجی صاحب قبلہ کی غلامی کا شرف تھا جس کا آفر وقت اس افتخار کے ساتھ اٹھا رہا ہوا۔

دو یمیں کہ رضاہ تسلیم کی سمجھیل کامل حاجی صاحب قبلہ نے اس خوبی سے فرمائی کہ جو اپنی نظری آپ ہے۔ چنانچہ دیوبی شریف میں جا کر حلوم ہوا کہ درحقیقت زبد و استعانت اس کو کہتے ہیں کہ جو کچھ اجمم الطہر پر ہے وہ بھی اپنا نہیں۔ اگر کسی نے تہبید پیش کیا تو اس کو باندھ لیا اور جو باندھ رکھتے وہ اس کو دے دیا۔ بھی صورت بستر کی ہے کہ ایک آٹا جسے اور ایک جاتا ہے۔ ملی بذا مکان بھی اپنا نہیں، کھانا بھی دوسرا شخص لاتا ہے اور رکھلا جاتا ہے غرض یہ کہ نہ کمرہ ہے نہ درونہ

حباب سے نہ کتاب، نہ عزیز ہیں نہ اقارب، نہ رشتہ دار، نہ کسی بھگڑے سے سروکار۔ واقعی القضاۓ حقیقی اسی کام بے کہ بھروسہ ذات واحد الوجہ کا ناتھ میں کسی سے کام نہیں۔

چنانچہ حضور کی بیعت کے بعد ماموں صاحب استغفار خوش عقیدت ہو گئے تھے کہ زندگی فخر ایک خدمت بھی کی اور ان کی عملت کی نکاہ سے دیکھا جس کا عرض یہ ملا کہ خاتمہ کلمہ طیبہ کے ساتھ ہوا۔ جیسا کہ حضور نے متواتر فرمایا ہے کہ ”عاشق کا مریض بے یمان نہیں مرتا۔“

اسی دوران میں مضافات جیپور کے ایک نوجوان طالب فقر کو سرکاری عالم پناہ نے تہینہ اور لگوٹ مرمت فرمایا اور ان کا مام نی شاہ رکھا۔ چونکہ یورولیش مجھ کو مختبوطاً خیال کئے ہلوم ہوئے تو خدمت عالی میں عرض کیا کہ حضور اگر ان کا قیام تاوارشہ کی تیار پہ ہو جائے تو وہ آباد رہے۔ جناب حضرت نے یا استدعا قول فرمائی اور نی شاہ کو یہ حکم دیا کہ ”تم پھر ایوں میں تاوارشہ کی قبر پر رہا کرو۔“ چنانچہ آج لکھی شاہ صاحب جب سے سیاحت سے واپس آئے ہیں تو تاوارشہ صاحب کی تیار پر ہے ہیں اور نہایت صبر و استغفار سے زندگی پر سر کرتے ہیں اور بکمال احتیاط پابند و شمع ہیں۔

الغرض تصرفات وارثی کی ایک شان یہ بھی دیکھی کہ خود تو بالاہر کوئی بداشت نہیں فرمائی لیکن دوسرے کی زبان سے ایسے الفاظ ان کو سنائے گئے کہ وہ مخصوص ہو گئے چنانچہ ایک معمر اور مقدس اور ذی علم شخص مخلع میرٹھ سے بغرض حصول بیعت در دولت پر حاضر ہوئے لیکن تجابر علم کے عجین نقاب نے ان کی چشم طلب کو حقائق و معارف کے مشاہدے سے محفوظ رکھا اور تکمیک و اوابام کی دیواری سی سدراء ہوتی کہ تمیں روز آستانہ اللہ س پر قیام کیا۔ مگر نہ تخلص نے ان کو بیعت کی اجازت دی اور نہ قطعی طور اداست سے انحراف کرنے کی ان کو جرأت ہوتی۔ بلکہ اس کلکش نے ایسی مہر ناموشتی لگادی کی اپنے شلوگ کا انکھا رجھی نہ کر سکے لیکن حضور اقدس مولوی صاحب کے حال پر غیر معمولی عنایت فرماتے تھے چنانچہ چند تحریز بعد مغرب مولوی صاحب قد ہوئی کیلئے حاضر ہوئے تو حضور نے فرمایا کہ ”مولوی صاحب بیخو“ اور حسب معمول شید امیاں سے فرمایا کہ کوئی تاریخی تذکرہ بیان کرو۔ خدام حیران تھے کہ آج یہ بات خلاف معمول کیوں ہوئی۔ اسلئے کہ یہ وقت دربار خاص کا ہے۔ مولوی صاحب کیوں بخانے گئے مگر اس کی خیر نہ تھی کہ رنگ توہات سے مولوی صاحب کے خیالات میں جو تکرارات آگئے ہیں ان کی صیقل ہوئی۔

چنانچہ حسب الحکم شید امیاں نے محمود غزنوی کے مہد میں ایک امیرزادہ کو اس کے

مرشد کامل نے عشق حقیقی کی جوہدیت کی تھی اس کو پر تفصیل بیان کیا اور آنماز اس مذکورہ کا حدیث
”النَّوْمُ أَخْ الْمَوْتُ“ سے ہوا اور مسائل عشق و محبت کی تصریح کیجی کسی آپ کریمہ اور راجحی کسی
حدیث صحیح سے کی اور بن رگان سلف کے اقوال سے استدلال کیا اور انہمار متحصل کیلئے مشنوی
شریف کے بعض اشعار بھی بہ جستہ پڑھے اور نہایت مسلسل طریق سے دو گھنٹے کی اس تقریر کا نتیجہ
”مُؤْتُوْ اَفْيَلُ أَنْ تَمُؤْتُوْ“ سے کالا اور آخر میں مولانا علیہ الرحمۃ کا یہ شعر

خوشنز آن باشد کہ سر طiran

گنبد آپہ ور حدیث دنگان

﴿جس کی بات محبوبوں کی غفل میں روسروں کی حکایت میں بیان ہوتی ہے وہ بہت خوش نسب
ہوتا ہے۔﴾

پڑھ کر قصہ ختم کیا۔ اس وقت حضور نے مولوی صاحب سے مخاطب
ہو کر فرمایا کہ ”مولوی صاحب اب جاؤ“

مولوی صاحب نے آپ کی اور مشل مایہ بے آب ترپنے لگے اور نہایت پروردہ بچ
میں کہا:

کے تو ان شد غبورے نیک نام
نان سازی خویش را بد نام عشق

﴿جب نیک تو اپنے آپ کو عشق میں بد نام نہیں کرے گا۔ نیک انسوں میں شلدیں ہو سکتا۔﴾
اور اسی حالت میں حضور کے سامنے دست بست کفرے ہو کر عرض کیا۔

کیک رونے تو بیند حدیث گل نکد
کیک مست تو شد آزو نے مل نکد

﴿جس کسی نے تمرا پیر دیکھا ہے وہ پھول کی بات نہیں کرنا اور جو تیری آرزو میں مست ہے اس
میں کی ضرورت نہیں﴾

خداؤند نعمت میری غراب قسمت نے تین روز تک اس سعادت سے محروم رکھا۔ آپ
امل بیت کرام علیہم السلوک و السلام کے فرزند اور تمام مقام ہیں۔ واللہ

اے سید پاک و پاک زادہ ہر آئینہ داد حسن دارہ

اے سید پاک اور پاک زادہ آئینہ آپ کے بھال کی تحسین کرتا ہے۔

در پیش قد کشیدہ تو سرو چجن است ایسا زادہ

آپ کی تیامت کے سامنے باش کا سروہات باندھے کھڑا ہے۔

از روئے تو کاغذ حسن است شوریست درین جہاں تماہ

آپ کے پھرے سے سورج کی ناہندگی ہے اور جہاں میں بھی شوریہ پا ہے۔

آرے سرزک و گیوانے بوئے چ نیم صح دارہ

بی بیا آپ ہی کی بجزیں زلفوں سے نیم سحر مک حاصل کرتی ہے۔

خدا کی واسطے مصدقی "والعافیں عَنِ النَّاسِ"۔ میرا قصور معاف ہوا اور حلقہ

غلامی میں داخل فرمائیے جتنا بحضرت نے ان کی بیعت لی مجسم لوں سے فرمایا: "مولوی صاحب اب راست کوئہ سونا" اور وہ سرے روزان کو رخصت کر دیا۔

علی ہذا تاضی بخشش علی صاحب نے اپنی ارادت کا واقعہ بیان کیا ہے کہ ۱۳۰۳ بھری میں مولوی مظفر سیم صاحب وارثی کے ہمراہ بارہ بیکی سے قصہ سہائی کو میں چارہ تھا۔ چونکہ مولوی صاحب حضور والا کے قدیم حلقہ گوش تھے اسلئے جب ہمارا یکہ دیوبنی شریف پہنچا تو صاحب موصوف شوق قدیمی میں مجھ کو بھی ہمراہ لیکر سرکار حالم پناہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور زمین بوس ہو کر موڑ بیٹھ گئے میں نے دیکھا کہ اسی اثنائیں بیک وقت دس بارہ اشخاص طالب بیعت آئے اور حضور نے معمولی طور پر مرید فرمایا کر ان کو رخصت کر دیا۔ مجھ کو خدا شہ جواہ آپ نے بخوبی کو دیکھا بھی نہیں۔ قیامت کے روز یا اپنے مریدوں کو کیونکر پہنچے نہیں گے اور سفارش کس کی کریں گے۔ لہذا ان کی بیعت کا قطعی بیکارا اور بالا اکل منفعت سے خالی ہے۔ اسی عرصہ میں سرکار حالم پناہ نے مولوی صاحب کو رخصت کیا اور مجھ سے مطالبہ ہو کر فرمایا کہ "تم تو پھر آؤ گے"۔ مجھ بدانال نے حضور کے اس فرمان کا مطلق خیال بھی نہ کیا بلکہ دل میں کہا کہ مجھے کیا ضرورت ہے جو پھر آؤ گا۔

غرض اسی وقت ہم دونوں دیوبنی شریف سے چلے اور شام کو جہاں بیٹھ گئے تین روز کے بعد جب وہاں سے واپس چلے اور سواری کی تلاش میں مجبغا و ان شریف کی جانب سے فوجپور کی پنجھ سڑک پر آئے اور یہاں بھی انتشار کیا مگر سواری نہ ملی تو مولوی صاحب نے کہا پہنچہ کے بنگل میں ہمارے بیچ بھائی خدا بخش شاہ رہتے ہیں۔ ہر چند ماتا تاتے نہیں ہے۔ مگر اتفاق سے جب یہاں تک آ گئے ہیں تو ان سے بھی ملتے چلیں۔

چنانچہ موضع پہنچہ میں بیٹھ کر ریافت کیا اور خدا بخش شاہ صاحب کی قیام گاہ پر پہنچ تو یہ دیکھا کہ ایک دہقانی شخص بوسیدہ تہبند باندھے درخت کے نیچے بیٹھا تھا پی رہا ہے۔ مولوی

اللہ اپنی زندگی کے اس حصہ کا حال نگارش کر چکا ہو رہ تھا میری زندگی کا خلاصہ اور جس پر میری زندگی کے ماں کا انعامار ہے۔ البتہ اس چند روزہ حاضری کے دوران میں جو مستعد اور غیر معمولی اصرفات دیکھنے کو مطلع تھریر کرنے میں یہ خیال ہے کہ اگر با ترتیب نگارش کروں تو خیم فخر ہو جائے گا اور غالباً ہذا حضور کی ہدایات اور ارشادات کی بھی تعداد کم نہیں ہے اسلئے ان کو بھی بالتفصیل نہیں لکھ سکتا اور علاوہ اس کے اکثر مفہومات انوان مدت کی تائیفات میں شائع بھی ہو چکے ہیں یا بعض ایسے ارشادات ہیں جن کو شرب و مسلم کے ممبر اتفاق بےان کی بلا علاوہ اشاعت خلافِ علوم ہوتی ہے لیکن فی الجملہ اس کی بھی ضرورت و کھانی دیتی ہے کہ اس سلسلہ میں بعض واقعات کا بھی ذکر ہو اور چند مفہومات بھی لکھے جائیں۔

مگر اسی کے ساتھ یہ بھی عرض کروں گا کہ میری مدد و وفا قیمت نہ اس کی متنازعی ہو سکتی ہے کہ در دوست کے جملہ واقعات اور پیشوائے الحق کے قبائلی اصرفات لٹل کرے اور نہ میری استعداد اوس لائق ہے کہ ان اصرفات کی حقیقت اور ماہیت کماہنہ بیان کرے۔ گیناکہ روزانہ کافی دستور قائم کر مختلف حیثیت اور مختلف خیال کے ارادتمند حاضر ہو کر حسب استعداد فیضان وارثی سے مستغفیض ہوا کرتے تھے۔ مگر انہیں ارادتمندوں میں اکثر حضرات کی طلب اور معاملات کو حقانیت اور روحا نیت سے ایسا سر و کار ہوتا تھا جس کی تحریک اور تصریح کرنا تو یقینی ناممکن ہے بلکہ ان پر اسرار واقعات کا تو مجلا ذکر کرنا و شوار ہے۔ اسلئے وہ اصرفات جو روز و اسرا رے معمور ہیں اور وہ ارشادات جن کا نکات مضمونی سے مر و کار ہے ان کو تحریر میں لانا قطعی میرے امکان سے باہر ہے۔

البتہ مجھ ظاہر ہیں کا تو یہی منصب ہے کہ وہی حالات نگارش کروں جو بظاہر ہمارے فہم و ادراک کے لائق ہوں جیسا کہ طالبان الہی کا عام طور سے طلاق نمائی میں واصل ہونا جس کا سلسلہ قریب قریب ہر وقت جاری رہتا تھا۔ مگر مشکل یہ ہے کہ معمولی واقعات میں اکثر ایسے رموز و اسرار پائے گئے جن کا ہماری عقول میں آنے محال ہے چنانچہ باہر ہا ایسے بھی طالب خدا آئے جو مختصر و مقرر اور یا نہوار زبان حال سے کہتے تھے۔

جز تو کس در جہان نبی خواہیم
بے وصال تو جان نبی خواہیم

﴿آپ کے سوا مجھے جہان میں کچھ نہیں چاہیے اور اگر آپ کا وصال نہ ہو تو جان کی ضرورت بھی نہیں ہے۔﴾

پلکہ یہ کہنا شاید غلط نہ ہو کہ بارگاہ وارثی کی معمولی بات بھی اپنی حقیقی حیثیت میں غیر معمولی بات کی احیت سے کسی طرح کم نہ تھی۔ مثلاً ایک صاحب پڑی بھیت سے آئے اور حسب اجازت درگاہ شاہ ولایت صاحب میں قیام کیا اور بعد اور نماز ظہر وہ داخل سلمہ وارثی ہوئے۔ مگر نماز عصر کیانے ان کو شاہ فضل حسین صاحب نے بادیا تو انہوں نے جواب میں کہا کہ جناب شاہ صاحب میں تو مرید ہو چکا ہوں اب نماز کیسی بقول

جو دل تاریخ میں بت سے لگا چکے
وہ صحیفہ چھوڑ کے کہہ کوچا چکے

شاہ صاحب نے فرمایا کہ مرید ہونے کے بعد آپ نماز کیوں نہیں پڑھیں گے جو فرض ہیں ہے۔ وہ سارہ مزانِ صحیر ہو کر بولے کہ میں نے تو یہ سناتا کہ جناب حاجی صاحب قبلہ کے مرید کو نماز معاف ہو جاتی ہے اسی وجہ سے میں یہاں آیا اور حلقہِ علمی میں داخل ہوا۔ شاہ صاحب موصوف نے مجھ کو بانا کر فرمایا کہ ان کے خیالات فاسد ہیں۔ خدا کے واسطے سمجھاؤ کہ نماز پڑھیں۔ چنانچہ میں نے ان سے دریافت کیا تو نماز پڑھنے کا سبب وہی مجھ سے بھی بیان کیا۔ میں نے کہا کہ آپ نے ہیر و مرشد سے بھی اجازت لی ہے جو کہا "یہ تو نہیں کیا۔" میں نے کہا "بغیر ان کے معاف کئے نماز کیونکہ معاف ہو جائے گی۔ اگر وہ کہ دیں تو چھوڑ دیجئے ورنہ اس حکم خداوندی کو آپ خود کیوں مگر چھوڑ سکتے ہیں۔"

میرا یہ کہنا ان کی سمجھ میں آگیا اور اسی وقت میرے ہمراہ رکار عالم پناہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ میں نے جنابِ حضرت سے یقین فرض کیا تو فضورِ مذکورے اور فرمایا کہ "اگر تین برس اور نماز پڑھو۔ پھر چھوٹ جائیں۔" اور مخصوص طریق سے درود و شرایف پڑھنے کی ہدایت فرمائی۔ وہ صاحب نہایت مسرور ہو کر واپس آئے اور بکمال خصوص و خشوع نماز عصر ادا کی اور شاہ فضل حسین صاحب سے کہا کہ جناب میری نماز بھی اب تین برس کے بعد چھوٹ جائے گی۔

پھر دوسرے سال میلہ کا نک میں وہ حاضر ہوئے تو ان کی حالت پر دیکھی کہ ہر وقت با فضور ہتھی ہیں اور درود و شرایف کا ورد ہے اور ذوق و شوق میں نماز ادا کرتے ہیں۔ مگر تیرے سالی وہ میلہ میں نہیں آئے تو وہی گوہر خان صاحب وارثی رئیس پڑی بھیت جب حاضر ہوئے اور ان سے دریافت کیا تو طلوم ہوا کہ ان کا انتقال ہو گیا۔ شاہ فضل حسین صاحب نے جناب کیا تو اس نمازی کے انتقال کی تاریخ وہی تھی جس روز تین سال پورے ہوئے تھے جس کو دوسرے لفظوں میں یہ کہنا چاہیے کہ ہمارے بعد نماز پڑھوانے اپنے اس مرید صادق کوتار دم مرگ اور

نماز کیلئے حکم فریلیا تھا۔ جس وقت جماد عصری سے روح کا آٹھی چھوٹ گیا۔ اس حادثہ خدا شناس سے نماز بھی چھوٹ گئی لیکن تین سال کی قید لگانا یا اس واقعیت اسرار اور مقبول پرورگار کا کام ہے جو مختار الہی سے خیر دار ہو۔ وہ ہمیشہ وہی کہتا ہے جو حق تعالیٰ کا رکارا وہ ہوتا ہے۔ قبول

گرچه از حکوم عبدالله بود

وہاں کی بات اللہ کی بات تھی اگر پا الفاظ اس کے بعدے کے منہ سے انکل رہے تو مغربات اللہ کی ہی تھی۔ ۴۶

اسی مخصوصون کا ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ مشی سید جنم الدین صاحب رحیم باگے پور جو
نہایت مقدس اور خدا شناس شخص تھا اور ایک مررتی بخاطر عقیدت دیوبنی شریف میں حاضر ہوئے
تھے۔ جب حضور باگے پور تشریف لے گئے اور مشی صاحب سے ملاقات ہوتی تو موصوف نے
بگمال ادب یا استدعا کی کہ نماز چھڑاواجھے۔ جناب حضرت نے فرمایا کہ مشی تی
نماز چھوڑنے کی چیز نہیں ہے ”وَهَا حَلَقْتُ الْجِنَّةِ وَالْإِنْسَانَ الْأَيْمَدُونَ“ مشی صاحب نے
مرض کیا کہ اب نماز عبادتا نہیں بلکہ عادتا پڑھتا ہوں اور ایسی نماز بے سورہ حلوم ہوتی
ہے۔ سرکار عالم پناہ نے فرمایا کہ ”مشی صاحب و مخدوم اسی میں ہے کہ مررتے ہم تک نماز پڑھے
چاؤ۔“ چنانچہ چند روز کے بعد عین نماز عصر کی تیسری رکعت میں انتقال ہوا۔

غلی بذا ۱۳۷۴ھجری کا واقعہ ہے کہ چناب سے ایک مولوی صاحب آئے اور صدر روزگار کے بالاخانہ میں جہاں ڈپٹی سیدجی المدین صاحب وارثی وڈپی تاپنی طیفِ عالم صاحب وارثی پہلے سے مقیم تھے مولوی صاحب بھی ایک جانب تھرائے گئے۔ دوسرے روز بعد نماز ظہر مولوی صاحب نے ان دونوں ڈپٹی لائلکروں سے کہا کہ تم نے نماز کیوں نہیں پڑھی کیا۔ حلوم نہیں ”مَنْ تَرُكَ الصَّلَاةَ مَعْمَلاً فَقَدْ كَفَرَ“ بے نماز یوں کہتا ہے کیونکہ حبیب رب العالمین یعنی کافر مودہ ہے۔ بلکہ میں نے سنا ہے کہ جناب حاجی صاحب بھی نماز نہیں پڑھتے ہیں۔ چنانچہ اسی کے متعلق ان سے گفتگو کرنے آیا ہوں۔ مولوی صاحب کا یہ بیجا کامہ کلام سن کر دونوں ڈپٹی لائلکروں نے مجھے کو بلا کری قصہ کہا اور خواہش ظاہر کی کہ تم کو دوسرا ہلکی تھہر ادا۔

میں نے مولوی صاحب سے وریانٹ کیا کہ آئے کا گیا مام سے، کہاں تے اور کیوں

آئے ہیں؟

تو پنجابی بچہ میں فرمایا کہ میر امام عبداللہ ہے اور اس نے ملکان سے آیا ہوں کہ حاجی صاحب سے نماز کی بابت گفتگو کروں۔ کیونکہ نمازوں میں مثنی کی تھوڑی ہے۔ کیا نہ نہیں ہے کہ ”اویں پر ش نمازوں“ اور یہ مسلمہ ہے کہ تارک نماز خارج از واجہہ اسلام ہے۔ قول:

**خلاف پتھر کے رو گزہ
کہ ہرگز بھول خواہد رسید**

﴿جو کوئی طریقت نبوی کے خلاف چلے گا کسی طور بھی منزل پنیں پہنچ پائے گا۔﴾
میں اسی وقت مولوی صاحب کو سرکار عالم پناہ کی خدمت میں لے گیا تین وہاں
مولوی صاحب خاموش بیٹھنے رہے۔ جب واپس آئے تو پھر کہا کہ مجھ کو حاجی صاحب کے پاس
لے چلو وہ کہاں ہیں۔ میں نے کہا ابھی تو آپ ملاقات کر کے واپس آئے ہیں لیکن خیر دوبارہ
چلے اور پھر مولوی صاحب کو لے گیا۔ اس مرتبہ حنفی نے فرمایا کہ یہ کون ہیں۔ عرض کیا۔ یہ
ملکان سے آئے ہیں۔ ”ارشاد ہوا کہ“ پلٹو ٹھہر و پھر ملاقات ہو گئی۔

عرض اسی طرح تین مرتبہ مولوی صاحب بحثاب حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے
اور واپس آ کر یہی کہا کہ حاجی صاحب کہاں ہیں ان سے کچھ بتیں کروں گا۔ آخر پڑھی مرتبہ
حاضر ہوئے تو سرکار عالم پناہ نے فرمایا کہ مولوی صاحب بیٹھو۔ مولوی صاحب فوراً قدہ ہوں
ہوئے۔ پھر حنفی نے فرمایا کہ ”مولوی صاحب سے“ وین جاری ہے اور اسلام کے یہ حاجی ہیں
”اور پھر مولوی صاحب سے مخاطب ہو کر ارشاد ہوا کہ“ جب تم نے کافی شروع کیا اور استاد نے
پڑھایا کہ الگنت لفظ تو تم نے کہا کہ جب گلمہ ایک لفظ کا نام ہے تو اس کا پڑھنا بیکار ہے
۔ ”پھر فرمایا کہ“ مولوی صاحب تم نے اپنے والد کا کتب خانہ تالاب میں ڈبوریا۔ ”اور ارشاد
ہوا کہ“ مولوی صاحب فی الفیس کم افلات پیغمبر و ن کے معنی جانتے ہو؟“۔ مگر مولوی
صاحب خاموش اور کسی خیال میں بھر تی مستغق بیٹھنے رہے۔ پھر حنفی نے دریافت فرمایا کہ
شب کو مثنوی مولانا روم کون پڑھتا تھا۔ میں نے عرض کیا کہ یہی مولوی صاحب پڑھ رہے تھے
کسی قدر تر شروع ہو کر بحثاب والا نے فرمایا کہ ”مولوی صاحب سمجھ کر پڑھا کرو۔ ورنہ
چھپوڑو۔ مثنوی کا مخفیوم اگر نہ سمجھے تو نہ پڑھئے۔“ اس کے بعد مولوی صاحب کو رخصت کرو۔

اس مرتبہ بالا خانہ پر آ کر مولوی صاحب کچھ عرصہ تک تو ساکت رہے پھر حالت
وجہ میں مثنوی شریف کا پہلا شہر پڑھا اور جوش میں کھڑے ہو کر تحسیں کرنے لگے اور یہ مانع
مولوی صاحب ایسا چھے کر دیکھنے والے تحریر تھے کہ پہلے تو بالا خانہ پر یہ مانع ہوتا

یاوارتے (۶۷) نووارتے

رہا پھر اتر کر درود لش پر عرصہ تک مولوی صاحب یا ناصح۔ پھر قصہ کی گلیوں میں مانچے پڑے اور بار بار کہتے تھے کہ اب خوب سمجھ گیا۔

چنانچہ اسی صورت سے آنحضرت اور وہ ماں ختم نہ ہوا اور اس عرصہ میں مولوی صاحب کو ناچنے کپڑوں کا ہوش ہوانہ کھانے کی فکر ہوئی، نہ پانی کی تلاش اور نہ کسی وقت نماز کا ذیال آیا۔ بلکہ یہی ایک شعر کے

بُشْرُ ازْ نَهْ چُونْ حَكَيْتَ مِنْكِدْ
وَ زَ جَوَاتِيْ بَا شَكَيْتَ مِنْكِدْ

﴿سنوکہ با تسری کس طرح اپنی داستان سناتی ہے اور اپنی جدائی کا شکوہ کرتی ہے﴾
پڑھتے تھے اور بار بار کہتے تھے خوب سمجھ گیا۔ بلکہ کسی نے اگر کہا کہ مولوی صاحب نماز پڑھ لیجئے تو جواب میں کہتے تھے کہ تم اپنی نماز پڑھو۔ میں پڑھ پکا ہوں اور اب نمازیمری یہ ہے۔

حَرَمْ دَرْ سَجَدَةَ هِرْ دَرْ حَدَارَمْ
جَزْ أَيْنْ دَرْ قَبَلَهَ دَنْغَرْ حَدَارَمْ

﴿ہر در میں اپنے سر کو سجدہ میں نہیں فال دینا کیوں کہ اس در کے سوا میرا کوئی اور قبده نہیں ہے﴾
اور جس وقت زیادہ بیقرار ہوتے تھے تو حالت جوش و اضطراب میں زار زار ہوتے اور کہتے تھے

قَادِرَا بَهْ جَمَالْ خُوشِشْ بَهْ لَكْنَ أَيْنْ پَرْدَهَ ازْ رَشْ بَهْ لَكْنَ
تَاجِنُورْ تَشِيمْ خُودْ رَهْ وَجُورْ گَرْ رَكُوعْ آرِیْمَ شَادَانْ گَهْ تَحُودْ

﴿تا قادرا اپنے جمال کی خاطر اپنے چہرے سے یہ پردہ ہنا دےتا کہ میں خود کو وہ جو میں دیکھ لوں اور خوشی و انہی ساطتے کبھی روکوں تو کبھی سجدہ ہے﴾

ہر چند مولوی صاحب کی حالت زار کا ہر شخص کو احساس تھا۔ مگر راجہ روست محمد خان صاحب وارثی نے ان کی پریشان حالت پر بار بار افسوس کا اظہار کیا۔ آنحضرت صوفی کے اصرار سے مولوی صاحب کو میں تالاب پر لے لیا اور خوب نہلایا۔ گوان کے وجد کا خمار غسل سے بھی با لگل فروٹیں ہوا لیکن اس دوسرے ہفتہ میں رفتہ رفتہ اناقہ ضرور ہوا اور جب کسی قدر رکون ہو گیا تو ایک روز بکمال ارب سر کار عالم پناہ کی خدمت ہامہ کرت میں حاضر ہو کر مولوی صاحب نے عرض کیا کہ واللہ کائنات میں ہر ذرہ آپ ہی کے نور سے معمور ہے یہی ثابت شیخ کو پا بند اسلام کرتی

بے اور سبھی صورت بہ تمن سے رام رام کھلواتی ہے۔ بتول:

از رندے و پارمائے تو
مختار و خانقاہ در رقص

(تیری پارسائی اور رندگی سے مخانہ اور خانقاہ دونوں رقصائیں ہیں)۔

آنکھے ناہار یہ خطاط شعار آپ کے گرم اور آپ کی عنایت کا امیدوار ہے اب
خاطری قرار کوتا ب انتشار نہیں۔ زندگی سے بیڑا رہوں۔ کیونکہ

خواب زخم من بھد زخم تو بست خواب من
نا ب نماز در حشم زلف تو مرد ۲۱ ب من

(میری آنکھوں کے خواب تیری آنکھوں سے مسلک ہیں یعنی تو آنکھ بند کرے گا تو میں خواب
دیکھ پاؤں گا۔ میرے وجود میں اب کچھ طاقت باقی نہیں کیوں کہ تیری زلف میری توہاتی لے گئی
ہے۔)

لہذا مستدی ہوں کہ اب شلام کو ہاس تقریب رحمت ہوا در تعلقات دنیا سے آزاد ہر ما بینے
جتاب حضرت نے یہ ارشاد فرمایا کہ۔ ”تم اپنے دکان جاؤ اور دین کا مدرسہ جاری کرو۔“
محض جب مولوی صاحب زیادہ مختصر و بیکفر رہوئے تو ارشاد ہوا۔ ”اگر خراب ہی ہوا ہے تو پہلے
پورب کی سیر کرو۔“ اس فرمان کی تفہیل کیلئے مولوی صاحب فوراً مستعد ہو گئے اور قد ہوں ہو کر
پورب کی سمت پلے گئے۔

یہ بھی عجیب واقعہ ہے کہ ایک شیاسی پختہ کے پنجابی درویش آئے اور میرے بستر کے
قریب پہنچ گئے۔ میں نے پوچھا کہ سادھو جی کہاں استھان ہے؟

کہا: ”بابا امرتسر سے آتا ہوں اور بارہ برس سے اس تلاش میں ہوں کہ کوئی نا رائی کا
سیوک یہ تھا وے کہ زنگار اس ہمارے سر کے اندر ہے یا میری کے باہر جا کر ہم باہم توں نے
سمجھا یا مگر افسوس کہ میری تشقی نہ ہوتی۔ جب حاجی صاحب بابا کلام سن تو اسی خیال سے یہاں
بھی بھکاری ہیں گر آیا ہوں۔“

میں ان کو اندر لے گیا تو اتفاق سے اس وقت حضور کا بستر چمن میں تھا اور آپ کھڑے
تھے وہ سادھو جب دروازہ میں داخل ہوا جتاب والا کی خدا نما صورت دیکھی۔ اسی مقام پر وہ
زمین بوس ہوا اور عجیب کیفیت کے عالم میں افتاد و خیز اس تیریب جا کر پاؤں پر سر رکھ دیا۔ سرکار
عالم پناہ نے مجھ کو یہ حکم دیا کہ ان کو تھرا دا اور ان کے کھانے کا انتظام کر دیا۔

بابر آگر میں نے کہا کہ مادھوچی تم نے کچھ دریافت نہ کیا۔ وہ آج بیوہ ہو کر کہنے لگے کہ بغیر دریافت کے جواب مل گیا۔ جس وقت دروازہ محلات میں نے مبارکی صورت کی ایک نوت وھری سے آ کاش تک دیکھی اور جب گردھی کے چون میں سر دیا تو جسم بشری پالیا۔ بس میری تسلیم ہو گئی اور جو آج تک نہ سمجھا تھا وہ سمجھ گیا۔

یہ بھی دیکھا کہ اکثر طالبین لباس نظری کی استدعا مانظور بھی فرمائی ہے اور بعد کو حلوم ہوا کہ مانظور اس وجہ سے ہوئی کہ ان کی طلب صادری اور خالصاً الوجہ اللذۃ تھی بلکہ کسی غرض پر مبنی تھی۔ چنانچہ ایک شخص نیپال کا باشندہ حاضر خدمت ہوا اور ملکی ہوا کہ مجھ کو تہبینہ مرحت ہو۔ پہلا ذمہ حضور نے فرمایا کہ پہلے اپنی جور و گور خاص مند کراؤ۔ جب وہ بابر آیا اور اس سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ جور سے لڑ کر آیا تھا اور اس درجی کی وجہ سے وہ فقیر ہوا چاہتا تھا میں ہمارے حقیقت شناس چیشوں نے اس کی باطنی حالت پر نظر فرمائی اور تہبینہ نہیں دیا کیونکہ شخص اس خالقی رنجش کے باعث اس نے ترک لباس کا ارادہ کیا تھا۔ خدا کی طلب نہ تھی۔ چنانچہ ایسے واقعات اور بھی گذرے ہیں کہ اکثر حضرات کسی صدر مکہ وجہ سے ترک لباس کرنے پر آمادہ ہوئے مگر حضور نے ان کو تہبینہ نہیں دیا اور جب کچھ عرصہ کے بعد اس اندھہ والم کا ازالہ ہو گیا تو پھر بدستور وہ اپنے کار و بار میں مصروف ہو گئے اور برخلاف اس کے ہمن کی طلب تھی ان کو تہبینہ بھی ملا اور ان کی حالت میں تغیر بھی نہیں ہوا۔

اسی دو روان میں سلسلہ صاحب یہ کے ایک معمر شخص درویش صورت مخلع اور مدد سے آئے اور رحیم شاہ صاحب کے کمرہ کے باہر سائبان میں ٹھہرائے گئے لیکن چار پانچ روز تک وہ اپنے بستر پر بیٹھے رہے جناب حضرت کی خدمت میں بھی نہیں حاضر ہوئے رحیم شاہ صاحب نے مجھ سے کہا کہ دریافت کرو یہ کون ہیں اور کیوں مقیم ہیں۔ میں ان کے بستر پر چل گیا تو دیکھا ایک ملعوبہ کتاب اردو کی ان کے ہاتھ میں ہے اور چند اہل دیہات معمولی طبقہ کے ان کے پاس بیٹھے ہیں اور شاہ صاحب سیر و سلوک کے قواعد ان کو سمجھا رہے ہیں اور درمیان نظریہ میں یہ بھی فرماتے جاتے ہیں کہ یہاں کوئی شخص نہ یہ نکات جانتا ہے اور زمان مقامات سے واقع ہے اور مرشد کی عنایت سے میں سب منازل سلوک طے کر چکا ہوں۔ بلکہ بہت بڑا مقام جس کا مام لا ہوتے ہے میں اس کی سیر کرنا ہوں۔ بقول:

مرث شاش درخت لاہوریم
گوہر درخت سن اسراریم

میں تھر لاہوت کی شاخ کا پرندہ ہوں اور روز و سارے کے خزانے سے ایک مولیٰ ہوں۔
پہلے تو میں بھی ان کی روحاںی تعلیم خاموشی کے ساتھ مستشار ہا۔ جب ان کے اس طرز
و طریق سے ظاہر ہو گیا کہ شاہ صاحب اپنی ذاتی ضرورتوں کو پورا کرنے کیلئے عمومِ انس کو اپنی
حکایت باطنی سے آگاہ کرتے ہیں اور چونکہ اس کام میں شب و روز صروف رہتے ہیں۔ اس
لحاظ سے سرکاری خدمت میں حاضر ہونے کا وقت ان کو نہیں ملتا۔

بالآخر میں نے کہا کہ جناب شاہ صاحب اگر تکلیف نہ ہو تو اپنے طے کردہ مقامات کا
مام آوتا ہے۔ شاہ صاحب نے نہایت کشاور پیشانی سے فرمایا کہ صاحبزادے کیا آج تک تم
نے سماں بھی نہیں کر طریقت میں مقامات فقر کے مام کیا ہیں۔ اگر تم کو شوق ہے تو میں تم کو سمجھائے
دینا ہوں یا درخواست اول مقام اس سوت، دو سیم ملکوت، سو سیم جرودت، چہارم لاہوت ہے جس کو یکے
بعد دیگر میں طے کر پچھا ہوں اور وہی مطبوعہ کتاب دکھا کر فرمایا کہ اس میں بھی انہیں مقامات کی
تصویح درج ہے اگر زیادہ اطمینان منظور ہو تو اس کو پڑھلو۔

میں نے عرض کیا کہ جناب شاہ صاحب افسوس ہے کہ جس منزل کا طے کرنا لازمی اور
ضروری تھا اور جس مرحلہ کو بغیر طے کئے کاملین میں شامل نہیں ہو سکتا۔ وہی مقام آپ سے چھوٹ
گیا۔ ورنہ ستر فورانیت آجائی کہ آپ ہوا پر از نے گئے۔ شاہ صاحب نے تھر ماں کو فرمایا کہ وہ
کون سام مقام ہے۔ میں نے کہا کہ اس مشہور و معروف مقام کا مام منزل کہا دت ہے۔ جس
مسافر راہ سلوک نے پیشو اگزار مقام طے کر لیا ہے اس کو سب منزلیں آسان ہو جاتی ہیں۔ ہر
چند سالک مقام کہا دت کے نو رانی پیغمبر پر پہلے فدائیت کے آثار ظاہر ہوتے ہیں۔ مگر آخر میں بقا
کا مرتبہ اس کو ملتا ہے اور کان ٹکین میں پر ٹکف مسئلہ پر پیغام کروہ حقہ پیتا ہے اور بکمال اطمینان
بھیروں کی رہن میں کہتا ہے:

فَا كَسْيِي بَقَا كَسْيِي جَبْ اسْ كَمْ كَمْ هَبَرْ
كَسْيِي اسْ كَمْ كَمْ آتَهَبْرْ كَسْيِي اسْ مِنْ جَاهَبْرْ

شاہ صاحب نے تھر ہو کر فرمایا کہ آج تک اس مقام کا مام بھی نہ کسی فقیر سے نہ
اور نہ اس کتاب میں منزل کہا دت کا ذکر ہے۔ میں نے کہا جناب روز و سارے روح سفید نہیں
ہوتے۔ بلکہ یلم یہ ہے جو بغیر خدمت کے نہیں حاصل ہوتا۔ بقول

ہر کے خدمت کراؤ مددِم شد
ہر کے خود را دیجے او محروم شد

﴿جو کوئی خدمت کرتا ہے مخدوم ہو جاتا ہے اور جو اپنی می دات کے سر میں بنتا رہتا ہے محرومی اس کا مقدر بن جاتی ہے۔﴾

چنانچہ میں نے برسوں خاک چھانی۔ تب ہر یہی جانشناہی سے اس مقام عالیٰ کو طے کیا ہے۔ ہرگز واسکس کی مجال نہیں کہ منزل کہاوتے طے کرنے کا خیال بھی کرتا اور آپ کی لفڑی سے تو یہ حلوم ہوتا ہے کہ اس کوچ میں قدم رکھنا بھی آپ کو مجال ہے۔ البتہ کسی باکمال شخص کی مسلسل خدمت کیجئے اور اگر افضل الی بھی شامل حال ہوا تو شاید محراجے کہاوت کی خوبکریں کھلا آپ کو نصیب ہوں۔ ورنہ اسی بجزہ خارستے پھر اپر ہونا بہت دشوار ہے۔ کیا یہ مشہور مقولہ آپ نے سنائیں:-

درین ورطہ کشتی فروشنہ ہزار
کے پیدا نہد تختہ رمکنار

﴿خیرت کے اس سمندر میں ہزاروں کشمیں پکھوں اس طرح غرق ہو گئیں کہ ان میں سے کسی کا ایک تختہ تک باہر نہیں آیا۔﴾

یہ کہہ کر میں تو اپنے بستر پر چلا گیا۔ مگر شاہ صاحب کو منزل کہاوت کی سیر کا اس قد رشوق ہوا کہ جناب شاہ نفل کیمیں صاحب اور معروف شاہ صاحب اور شید امیاں کے پاس باہر بارگئے اور ان سے باصرہ کہا کہ آپ سفارش کر دیں کہ اوگھٹ شاہ مجھ کو منزل کہاوتے طے کر دیں۔ ان لوگوں نے بطور مذاق شاہ صاحب کو یہ سمجھایا کہ ہم بھی آپ کی سفارش کر دیں گے۔ مگر بہترین صورت یہ ہے کہ آپ جناب حاجی صاحب قبلہ کی خدمت میں حاضر ہو کر یا مستدعا کریں۔ قریبہ ہے کہ آپ کی خاطر قلد عالم ان کو ضرور یہ حکم دیں گے کہ ان کو منزل کہاوتے طے کر دو اور پھر اوگھٹ شاہ کی مجال نہیں کہ کوئی عذر کر دیں اور آپ کامیاب ہو جائیں گے۔

چونکہ منزل کہاوت کے شوق نے شاہ صاحب کو زخور نہ کر دیا تھا سلیعہ "ذیانہ را ہوئے بس است"۔ کامیابوں ہوا کہ ان کو بھی یہ صلاح پسند آئی اور اسی وقت سرکار عالم پناہ کی خدمت میں حاضر ہو کر مستدعی ہوئے کہ اللہ حکم فرمائیے کہ اوگھٹ شاہ مجھ کو منزل کہاوتے طے کر دیں۔ حضور نے مجھ کو طلب فرمایا کہ شاہ صاحب کا قصہ سناؤ اور مسکرا کر رشا دیوا کر اگر تم کو حلوم ہو تو منزل کہاوتے طے کر دو۔

میں نے باہر آ کر شاہ صاحب سے اقرار لیا کہ جو کہوں گا اس کی تعقیل کرنا ہو گی اس گروہیہ مقام کہاوت نے جب اس کو بھی قبول کیا تو میں نے یہ تلقین کی کہ آج سے نصف روپی

صحیح کو اور نصف شام کو کھایا کرو۔ شاہ صاحب نے وفور شوق میں ایسا یہ کیا تھا جن ان کے ساتھ میں نے بھی اس روز سے نصف ہی روٹی پر قیامت کی۔ اسی ہفتہ میں شاہ صاحب کو اس مجاہدہ نے ایسا ضعیف کر دیا کہ کشست و برخاست میں تکلف ہوئے۔ جب ان کا یہ حال دیکھا تو مجھ کو ذیال ہوا کہ وگی میں صورت مال نہ پڑیں آؤ۔ اسی وقت جناب حضرت کی خدمت میں ان کو لے لیا اور عرض کیا کہ یہ مقام کہا واتے طے کر آئے۔ حضور نے ذکر اسم ذات جاہلی تاحدہ سے ان کو تعلیم کیا اور فرمایا ”شاہ جی اب جاؤ“۔

شاہ صاحب اسی روز چلے گئے۔ مگر بعدہ حضور ایمڈ کے بعض حضرات سے معلوم ہوا کہ شاہ صاحب نے یہاں سے جا کر جملہ تعلقات منقطع کر دیئے اور جنگل میں آزادانہ زندگی بسر کرتے ہیں اور ہر وقت وجہ اپنی حالت رہتی ہے اور اکثر ذکر اسم ذات بائیکر کرتے ہیں۔

اس واقعہ سے ایک سبق یہ ملا کہ با وجود یہ کہ یہ تصدیق را پاندھی تھا اور شاہ صاحب کو حضور کی خدمت میں حاضر ہونے کا مشورہ بھی مذاق ہی کے بیڑا یہ میں دیا گیا تھا کہ یہ جا کر مقام کہا واتے کا اشتیاق ظاہر کریں اس مذکورہ سے چند منٹ کیلئے حضور کی پہنچنگی ہو گئی اور ایسا ہی ہوا کہ شاہ صاحب کی یہ طلب سکر حضور مسکرا یہ بھی لیکن اس مذاق کی رسائی چونکہ دربار وارثی میں ہو گئی تھی اس لئے یہ مذاق بھی وہاں پہنچ کر مذاق نہ رہا اور تصریح وارثی سے یہ مذاق بھی ”صحت صائم اسلام کند“ کا مصدقہ ہو گیا۔

سعادتِ ابدی در پے ارادتِ تست

چنانکہ عیدِ مبارک ز بعدِ ماہِ میام

﴿جس طرح روزوں کے بعد عید آتی ہے اسی طرح ابدی سعادت تیرے ارادے سے مسلک ہے۔﴾

فینماں صحبت وارثی نے طالب کہا واتے کی بھی ہدایت فرمائی اور تسبیت وارثی کے حقیقی اثر نے یہ کر شدہ دکھایا کہ ”آگ لینے کو جائیں پیغمبری ہو جائے“۔ کامیکھون ہوا۔ اس غیور شہنشاہ کو منظور ہوا کہ ہمارے فیض نام سے سادہ لوح بھی محروم نہ جائے۔ ظاہر ایک ذکر بھی تعلیم فرمایا اور بھائی تصرف سے ترک تعلقات کا دشوار گز امر حلہ ایسا کہل کر دیا کہ جب آسانی و دنیا کے دامہ تر ویرے سے رہا ہو کرو ہا بلدر انقدر بھی ویران جنگل میں مسکن گزیں ہوا۔ **”ذالک فضل اللہ یعنیہ، ملن پیشاء“**

ایک روز قریب عصر ہندو فقرا کے لباس میں ایک صاحب آئے اور اسی انداز کا تختہ

اسباب بھی ان کے ساتھ تھا۔ اتفاق سے میں اس وقت دراقدس پر حاضر تھا۔ ملنے کے بعد یہ فرمائش کی کہ جلد قدم بوسی کرو۔ ابھی واپس جاؤ۔ انہیں نے عجالت کا سبب پوچھا تو افسوس اور ایسی حالت میں یہ بیان کیا کہ مجھ کو حلوم ہوا ہے کہ سب کا حصہ تقسیم ہو رہا ہے۔ لہذا میں بھی آتا ہے امداد کے دراقدس پر اپنا حصہ لینے حاضر ہوا ہوں۔ اصل حصہ نہ ہو ما چاہیے۔ میں اسی وقت با رگا ہوا رٹی میں ان کو لایا۔ نوزوہ والان کے پاس نہیں پہنچ تھے کہ سرکار عالم پناہ نے دیکھ کر فرمایا کہ ”اچھا جاؤ“۔ فرمان سنکرائی جگہ وہ زمین بوس ہو کر واپس آئے اور اپنا اسباب اٹھا کر درگاہ کی جانب پلے گئے۔

اسی وقت تھا کہ پہنچم ٹکھے صاحب نے آکر یہ قصہ ساتوں مو صوف کو شوق ہوا کہ ان کا حال منسلخ دریافت کرنا چاہیے۔ چنانچہ اسی خیال سے تھا کہ صاحب اور میں درگاہ میں آئے تو وہ کھا وہ صاحب نماز پڑھ کر جانے کو ہیں۔ تھا کہ صاحب نے روکنا چاہا۔ مگر انہوں نے مخدرات کے ساتھ گہا کر میں مہاک متوسط کا باشندہ ہوں۔ مالک نے میرا حصہ دیکھ کر مجھ کو رخصت کر دیا ہے۔ ایسی حالت میں بمال نہیں کہ قیام کرنے کا خیال بھی کروں اور مل کر فوراً پلے گئے۔

تلی ہذا میرے ماموں حاجی اشناق ہمیں صاحب کے خیالات میں جس قد رنجیات ہوئے وہ بھی خاص تصرفات وارثی کا کر شد تھا۔ گیونکہ وہ ہوا ماما حاجی احمد اول اللہ مہاجر بھی علیہ الرحمۃ کے مرید تھے اور علمائے دیوبند کی تقلید کے ہمیشہ پابند ہے۔ نہ بھی صوفیائے گرام کی تجمعات کی نہ فقرائے عظام کی عظمت ان کی نگاہ میں تھی۔ چنانچہ تادر شاہ صاحب وارثی جو پتھر ایوں میں عرصہ سے قیام پڑ پڑھا موسی صاحبان کے بھی قطعی خلاف تھے۔ جب وہ ملیل ہوئے تو میری وجہ سے اس قدر رنجا ہتھی کہ اپنی کوٹھی میں لاگران کا علاج کر دیا۔ مگر چوں کہ بدھن بہت تھے۔ اس لحاظ سے خود ان کی تدارواری میں کوئی حصہ نہیں لیا۔ بلکہ ان کو خیر سمجھ کر اس گوش میں جگد وی جس میں کاشکاری کا سلام رہتا تھا۔

لیکن تادر شاہ صاحب کی مدت حیات قریب اختتام تھی۔ علاج بھی مفید نہ ہوا اور جب اختسار کا وقت آیا تو ماموں صاحب کا بیان ہے کہ مسافر بھجو کر میں ایک آن واحد کیواں سطھ ان کے قریب گیا تو یہ تماشا دیکھا کر جس قدر ان کا لباس اور مستر بوسیدہ اور کثیف تھا۔ اسی قدر انکا پتھر نورانی اور وہ ناریک کرہ روشن تھا اور نہایت پسندیدہ خوشبو آرہی تھی اور ہر سانس کے ساتھ ڈکر اسی ذات جاری تھا۔ مجھ کو نہیں تھا اور نہایت پسندیدہ خوشبو آرہی تھی اور ہر سانس کے صرف حاجی صاحب کی نلامی کی ہدایت ہے۔ میں نے یہ بھی پوچھا کہ کچھ کہنا ہے۔ تو شاہ

صاحب نے بکمال صبر و تحف جواب دیا کہ تم سے کیا کہیں جو ہمارا سنبھالا ہے اس سے جو کہنا ہے وہ کہدے ہے ہیں۔ تمہارا بیکام ہے کہ جب روح نکل جائے تو اس مٹی کو جہاں چاہے بدل دینا اور تم تو حاجی صاحب کے پاس رہیں گے۔ اس لئکو کے بعد خاموش ہوئے اور زیادہ وقت نہیں گز راتھا کان کا انتقال ہو گیا۔

یونیورسٹی نیز واقعہ دیکھ کر ماں صاحب کی حالت متغیر ہوئی تھی کہ اسی اضطراری کیفیت میں دیوبی شریف آئے اور مجھ سے فرمایا کہ مریب کرو۔ میں نے ہر چند سمجھایا کہ آپ حاجی امداد اللہ صاحب کے وست گرفتہ میں۔ اب اس کی خودت نہیں کہ یہاں بھی بیعت کیجئے۔ مگر اس تحدیر میقرا رکھنے کے باہم براصر ادا کیا۔ آفر مجبور ہو کر جناب حضور کی خدمت بامکن میں ان کو لیا گیا اور عرض کیا کہ یہاں سے ماں صاحب کے مریب میں اور آج آپ سے طالب ہوا چاہئے ہیں۔ سرکار عالم پناہ نے فرمایا: ”تم اور امداد اللہ دونوں ہیں۔ بلکہ تم اور وہ ایک ہیں۔“ ماں صاحب نے نہادت پر حسرت الجب میں عرض کیا کہ قبلہ عالم دوبارہ ہاتھ پکڑا چاہتا ہوں اس وقت حضور نے اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دیا اور فرمایا: ”وَكُحُوبِيَّيْنِ امداد اللہ كا ہاتھ جس سے بھی محبت رکھو“ اور دو روز کے بعد رخصت کر دیا۔

ماں صاحب سے بعض ان کے احباب نے دریافت بھی کیا کہ آپ مکر رکیوں مریب ہوئے تو ماں صاحب نے بھی جواب دیا کہ اول تو اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ جناب حاجی صاحب کے مریب کا انجام اچھا اور بہت اچھا ہوتا ہے۔ جیسا کہ تاور شاہ صاحب کا ہوا۔ حالانکہ مجھے اگئے ساتھ ہو، نہیں تھا۔ مگر ان کا خاتمہ ایسا دیکھا کہ مجھے مدامت ہے کہ ایسے خوش انجام شخص سے مجھے خصوصت تھی۔ آج تک تجھر ہوں کہ ان کے انتقال کے وقت وہ کمرہ منور اور معطر کیوں ہو گیا تھا اور ان کی تجھیز و تکفیر میں اس قدر رجوع کیوں ہوا اور یہ لوگ کہاں سے آئے۔ سوائے اس کے کہ جناب حاجی صاحب قبلہ کی غلامی کا شرف تھا جس کا آفر وقت اس افتخار کے ساتھ اٹھا رہا ہوا۔

دو یمیں کہ رضاہ تسلیم کی سمجھیل کامل حاجی صاحب قبلہ نے اس خوبی سے فرمائی کہ جو اپنی نظری آپ ہے۔ چنانچہ دیوبی شریف میں جا کر حلوم ہوا کہ درحقیقت زبد و استعانت اس کو کہتے ہیں کہ جو کچھ اجمم الطہر پر ہے وہ بھی اپنا نہیں۔ اگر کسی نے تہبید پیش کیا تو اس کو باندھ لیا اور جو باندھ رکھتے وہ اس کو دے دیا۔ بھی صورت بستر کی ہے کہ ایک آٹا جسے اور ایک جاتا ہے۔ ملی بذا مکان بھی اپنا نہیں، کھانا بھی دوسرا شخص لاتا ہے اور رکھلا جاتا ہے غرض یہ کہ نہ کمرہ ہے نہ درونہ

حباب سے نہ کتاب، نہ عزیز ہیں نہ اقارب، نہ رشتہ دار، نہ کسی بھروسے سے سروکار۔ واقعی القضاۓ حقیقی اسی کام بے کہ بجز ذات واحد الوجوه کا ناتھ میں کسی سے کام نہیں۔

چنانچہ حضور کی بیعت کے بعد ماموں صاحب استغفار خوش عقیدت ہو گئے تھے کہ زندگی فخر ایک خدمت بھی کی اور ان کی علمت کی نکاہ سے دیکھا جس کا عرض یہ ملا کہ خاتمہ کلمہ طیبہ کے ساتھ ہوا۔ جیسا کہ حضور نے متواتر فرمایا ہے کہ ”عاشق کا مریض بے یمان نہیں مرتا۔“

اسی دوران میں مضافات جیپور کے ایک نوجوان طالب فقر کو سرکاری عالم پناہ نے تہینہ اور لگوٹ مرمت فرمایا اور ان کا مام نی شاہ رکھا۔ چونکہ یہ درویش مجھ کو مختبوطاً خیال کئے ہلوم ہوئے تو خدمت عالی میں عرض کیا کہ حضور اگر ان کا قیام تاوارشہ کی تیار پر ہو جائے تو وہ آباد رہے۔ جناب حضرت نے یہ استدعا قبول فرمائی اور نی شاہ کو یہ حکم دیا کہ ”تم پھر ایوں میں تاوارشہ کی قبر پر رہا کرو۔“ چنانچہ آج لکھی شاہ صاحب جب سے سیاحت سے واپس آئے ہیں تو تاوارشہ صاحب کی تیار پر ہے ہیں اور نہایت صبر و استغفار سے زندگی پر سر کرتے ہیں اور کمال احتیاط پا بندو شمع ہیں۔

الفرض تصرفات وارثی کی ایک شان یہ بھی دیکھی کہ خود تو بالاہر کوئی بداشت نہیں فرمائی لیکن دوسرے کی زبان سے ایسے الفاظ ان کو سنائے گئے کہ وہ مخصوص ہو گئے چنانچہ ایک معمر اور مقدس اور ذی علم شخص مخلع میرٹھ سے بغرض حصول بیعت در دولت پر حاضر ہوئے لیکن تجابر علم کے عجین نقاب نے ان کی چشم طلب کو حقائق و معارف کے مشاہدے سے محفوظ رکھا اور تکمیل و اوپام کی دیواری سی سدراء ہوتی کہ تمیں روز آستانہ اللہ س پر قیام کیا۔ مگر نہ تخلص نے ان کو بیعت کی اجازت دی اور نہ قطعی طور اداست سے انحراف کرنے کی ان کو جرأت ہوتی۔ بلکہ اس نکاش نے ایسی مہر ناموشتی لگادی کی اپنے شلوٹ کا انکسار بھی نہ کر سکے لیکن حضور اقدس مولوی سید امیاں سے فرمایا کہ کوئی تاریخی تذکرہ بیان کرو۔ خدام حیران تھے کہ آئن یہ بات خلاف معمول کیوں ہوئی۔ اسلئے کہ یہ وقت دربار خاص کا ہے۔ مولوی صاحب کیوں بخانے گئے مگر اس کی ثہر نہ تھی کہ رنگ توہات سے مولوی صاحب کے خیالات میں جو تکرارات آگئے ہیں ان کی صحتیں ہوئیں۔

چنانچہ حسب الحکم سید امیاں نے محمود غزنوی کے مہد میں ایک امیرزادہ کو اس کے

مرشد کامل نے عشق حقیقی کی جوہدیت کی تھی اس کو پر تفصیل بیان کیا اور آنماز اس مذکورہ کا حدیث
”النَّوْمُ أَخْ الْمَوْتُ“ سے ہوا اور مسائل عشق و محبت کی تصریح کیجی کسی آپ کریمہ اور راجحی کسی
حدیث صحیح سے کی اور بن رگان سلف کے اقوال سے استدلال کیا اور انہمار متحصل کیلئے مشنوی
شریف کے بعض اشعار بھی بہ جستہ پڑھے اور نہایت مسلسل طریق سے دو گھنٹے کی اس تقریر کا نتیجہ
”مُؤْتُوْ اَفْيَلُ أَنْ تَمُؤْتُوْ“ سے کالا اور آخر میں مولانا علیہ الرحمۃ کا یہ شعر

خوشنز آن باشد کہ سر طiran

گنبد آپہ ور حدیث دنگان

﴿جس کی بات محبوبوں کی غفل میں روسروں کی حکایت میں بیان ہوتی ہے وہ بہت خوش نسب
ہوتا ہے۔﴾

پڑھ کر قصہ ختم کیا۔ اس وقت حضور نے مولوی صاحب سے مخاطب
ہو کر فرمایا کہ ”مولوی صاحب اب جاؤ“

مولوی صاحب نے آپ کی اور مشل مایہ بے آب ترپنے لگے اور نہایت پروردہ بچ
میں کہا:

کے تو ان شد غبورے نیک نام
نان سازی خویش را بد نام عشق

﴿جب نیک تو اپنے آپ کو عشق میں بد نام نہیں کرے گا۔ نیک انسوں میں شلدیں ہو سکتا۔﴾
اور اسی حالت میں حضور کے سامنے دست بست کفرے ہو کر عرض کیا۔

کیکہ روئے تو بیند حدیث گل نکد
کیکہ مت تو شد آزوئے مل نکد

﴿جس کسی نے تمرا پیر و دیکھا ہے وہ پھول کی بات نہیں کرنا اور جو تیری آرزو میں مت ہے اس
میں کی ضرورت نہیں۔﴾

خداؤند نعمت میری غراب قسمت نے تین روز تک اس سعادت سے محروم رکھا۔ آپ
امل بیت کرام علیہم السلوک و السلام کے فرزند اور تمام مقام ہیں۔ واللہ

اے سید پاک و پاک زادہ ہر آئینہ داد حسن دارہ

اے سید پاک اور پاک زادہ آئینہ آپ کے بھال کی تحسین کرتا ہے۔

در پیش قد کشیدہ تو سرو چجن است استوارہ

آپ کی تیامت کے سامنے باش کا سروہاتھ باندھے کھڑا ہے۔

از روئے تو کاغذ حسن است شوریست درین جہاں تماہ

آپ کے پھرے سے سورج کی ناہندگی ہے اور جہاں میں بھی شوریہ پا ہے۔

آرے سرزک و گیوانٹ بوئے چ نیم صح دارہ

تیہاں آپ ہی کی بجزیں زلفوں سے نیم سحر مبکح حاصل کرتی ہے۔

خدا کی واسطے مصدقی "والعافیں عَنِ النَّاسِ"۔ میرا قصور معاف ہوا اور حلقہ

غلامی میں داخل فرمائیے جتنا بحضرت نے ان کی بیعت لی مجسم لوں سے فرمایا: "مولوی صاحب اب راست کوئہ سونا" اور وہ سرے روزان کو رخصت کر دیا۔

علی ہذا تاضی بخشش علی صاحب نے اپنی ارادت کا واقعہ بیان کیا ہے کہ ۱۳۰۳ بھری میں مولوی مظفر سین صاحب وارثی کے ہمراہ بارہ بیکی سے قصہ سہائی کو میں چارہ تھا۔ چونکہ مولوی صاحب حضور والا کے قدیم حلقہ گوش تھے اسلئے جب ہمارا یکہ دیوبنی شریف پہنچا تو صاحب موصوف شوق قدیمی میں مجھ کو بھی ہمراہ لیکر سرکار حالم پناہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور زمین بوس ہو کر موڑ بیٹھ گئے میں نے دیکھا کہ اسی اثنائیں بیک وقت دس بارہ اشخاص طالب بیعت آئے اور حضور نے معمولی طور پر مرید فرمایا کر ان کو رخصت کر دیا۔ مجھ کو خدا شہ جواہ آپ نے بخوبی کو دیکھا بھی نہیں۔ قیامت کے روز یا اپنے مریدوں کو کیونکر پہنچے نہیں گے اور سفارش کس کی کریں گے۔ لہذا ان کی بیعت کا قطعی بیکارا اور بالا اکل منفعت سے خالی ہے۔ اسی عرصہ میں سرکار حالم پناہ نے مولوی صاحب کو رخصت کیا اور مجھ سے مطالبہ ہو کر فرمایا کہ "تم تو پھر آؤ گے"۔ مجھ بدانال نے حضور کے اس فرمان کا مطلق خیال بھی نہ کیا بلکہ دل میں کہا کہ مجھے کیا ضرورت ہے جو پھر آؤ گا۔

غرض اسی وقت ہم دونوں دیوبنی شریف سے چلے اور شام کو ہماری بخشش گئے تین روز کے بعد جب وہاں سے واپس چلے اور سواری کی تلاش میں مجبراً کاوان شریف کی جانب سے فوج پر کی پہنچ سڑک پر آئے اور یہاں بھی انتشار کیا مگر سواری نہ ملی تو مولوی صاحب نے کہا پہنچ کے بنگل میں ہمارے بیچ بھائی خدا بخش شاہ رہتے ہیں۔ ہر چند ماتا تاتے نہیں ہے۔ مگر اتفاق سے جب یہاں تک آ گئے ہیں تو ان سے بھی ملتے چلیں۔

چنانچہ موضع پہنچ میں بخشش کر دیافت کیا اور خدا بخش شاہ صاحب کی قیام گاہ پر پہنچ تو یہ دیکھا کہ ایک دہقانی شخص بوسیدہ تہبند باندھے درخت کے نیچے بیٹھا تھا پی رہا ہے۔ مولوی

صاحب نے سلام کیا تو بٹاش ہو کر شاہ صاحب کھڑے ہو گئے اور زیارت خلوص و محبت کی ساتھ آدھائی کہہ کر مولوی صاحب سے معافہ کیا اور مجھ سے معمولی طریقہ سے صرف مصالحت کیا۔ مگر مولوی صاحب کی مداراث میں ان کو خاص اشیا کے تھے جس سے دلی سرست کا صاف انکھا رکھتا۔

شاہ صاحب کی میری نسبت یہ بے اخلاقی مجھ کو ما گوار ہوئی اور تشریف ہو کر میں نے شکایت کی کہ شاہ صاحب فقیری کا دعویٰ بھی آپ کرتے ہیں اور اخلاقی محمدی سے استغراق و اتفاق اور بے اخلاق۔ یہ تقریباً آپ کو کس نے سمجھائی کہ ایک مہمان کے ساتھ یا اتنا دا اور ایک کے ساتھ یہ بے اخلاقی۔ افسوس۔

ہر چند یہ شکایت تو کی مگر خیال تھا کہ میری یہ سخت کلامی شاہ صاحب کو خرو را خوش کر دے گی۔ لیکن قصیٰ اس کے عکس ہوا کہ شاہ صاحب پر کمال ممتاز نہیں کر سکھنے لگے کہ میاں صاحبزادے برانڈ مانو۔ یہ ہمارے بھائی ہیں اور تم غیر ہو۔ یہ ہمارے مالک کی زندہ یا دگار ہیں اور تم کو دوبارہ اپنی سے کوئی حقیقی سروکار نہیں۔

مجھ کو تعجب ہوا اور استفسار کیا کہ یہ آپنے کیونکر جاما کہ میں غیر ہوں اور آپ کے بھائی ہیں کیونکہ حیثیت ہماری ایک ہے۔ ان سے بھی آپ ناشناہیں اور مجھ سے بھی نا اتفاق۔ پہلا موقع ہے جو ہم روپوں کو نیاز حاصل ہوا ہے۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ یہاں یہ کیونکر سمجھا گا۔ اسلئے کہ تم کو تو اسی کا یقین نہیں کہ ہمارا مالک اپنے مریدوں کو کیونکر پہچانے گا۔ مگر غور کرو کہ اس پیشوائے ذمی احشام کے اولیٰ خلام جب یا روا غیار کو پہچانتے ہیں تو ہمارے آئائے مادراتی تو پڑا ہی سرکار ہے۔

شاہ صاحب کی یہ عارفانہ تقریر میرے امر اخیں بالطفی کے حق میں اکسیر ہو گئی۔ ولے اپنی جہالت کا فوراً اعتراض کیا اور عظمت و اثری کا ایسا انکشاف ہوا کہ میں نے نہادت سے سر جھکا کیا اور عرب حق سے مرغوب ہو کر خاموش ہو گیا۔ ایک لمحہ کے بعد مولوی صاحب نے شاہ صاحب سے رخصت طلب کی تو موصوف فرماد جب تھے ہے تقریر ہوئے اور زار زارہ نے لگے اور اصرار کرتے رہے کہ آج نہ جاؤ لیکن مولوی صاحب نے شاید میری جہت سے مخدودت کی اور وہاں سے ہم روپوں پھر پا پیدا رہ چلے۔

پہنچتے سڑک پر آ کر مولوی صاحب سے میں نے اپنی حالت بیان کی اور متدھی ہوا کہ دیوبئی شریف پلو او راجہ جی حلقة خلامی میں داخل کراو۔ مولوی صاحب نے میری اس خواہش پر

مر جما کہا۔ اور تریب عصر دیوبئی شریف پہنچ کر بارگاہ وارثی میں حاضر ہوئے اور سرکار عالم پناہ سے میری سفارش کی۔ حضور نے سکرا کرفز مالیا: ”آج گئے اجب تک رور تھے دور تھاب ہمارے پاس رہیں گے“ اور میری بیعتی۔

اس واقعہ سے صاف ظاہر ہو گیا کہ فیضان وارثی نے کس کس طریقے سے تحقیق الہی کی ہدایت فرمائی اور کبھی خوبی سے ان کے خداشت رفع کئے کہ آئندہ خیالات میں شلوک کی گنجائش نہ رہے ورنہ تااضنی بخشش ملی صاحب کی تعلیم دوسرے عنوان سے بھی ملکن تھی۔ مگر نہیں۔ اس طبیب باطنی نے ان کے مرٹل کاملاں اس نسخے کیا جس نے اسے مرٹل کو ہمیشہ کیلئے زائل کر دیا اور ان کا یہ شبہ کہ جناب حضرت میریہین کی شناخت گوناگون فرمائیں گے یوں رفع کر دیا کہ اپنے ایسے غلام سے مقابلہ کرو دیا جس کے صحیح اندازہ نے بغیر تعارف ایک نظر میں یار و اغیار کا انتیاز کر دیا اور تااضنی صاحب کے شلوک و تخلیات کی کافی اصلاح ہو گئی۔

اس واقعہ سے ایک سبق یہ بھی ملا ہے کہ انہوں نے ملت کو اسی طرح باہمی انس و محبت رکھنا لازمی ہے۔ جس طرح خدا بخشش شاہ صاحب کی شفقت بردارانہ کا انہصار ہوا اور باوجود ان آشنا ہونے کے مولوی مظفر حسین صاحب کی پہلی ملاقات میں خلوص والقات کے ساتھ مداراست کی۔ بلکہ تھوڑا غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بارگاہ وارثی کے قدیم حلقة گوش جس طرح وینگر صفات میں ہم سے ممتاز تھے۔ اسی طرح یہ صفت بھی ان میں خاص طور پر نہیاں پائی جاتی ہے اور واقعی وہ پاک نہایہ باہمی ارتباط و اتحاد میں لیکنہ روزگار تھے اور ان کے واثقات خود ریا و کار رہیں گے۔

چونکہ وہ حق شناس اہل تصدیق تھا اور پیشوائے برحق کی ہدایت کے مطابق ان کا یہی طریق تھا کہ باہمی انس و محبت کو دستور شرب کی شفقطی جانتے تھے۔ گوناگون سرکار عالم پناہ نے متواتر فرمایا ہے: ”بھائی بھائی میں باہمی محبت ہوا اس کی دلیل ہے کہ ان کو باپ سے محبت ہے۔“

حضور کا یہ ارشاد جو خلاموں کیلئے باہمی اتحاد کا صریحی حکم ہے اس کو اگر نظر تعمق سے دیکھا جائے تو شارع عظیم یعنی ہدایت کالملکی ترجمہ ہے کیونکہ حضرات محدثین کا اتفاق ہے کہ جناب رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والصلوٰۃ نے اخوت اسلامی کے قیام و استحکام کے واسطے تاکید کیا ہے اور انصار و مہاجرین نے اس زرین ہدایت کی قبولی جس خلوص و خوبی سے کی وہ اپنی نظیر آپ ہے اور اسی کا یہ تجیہ تھا کہ مغرب سے شرق تک ان کی شان و عظمت کا نشان بلند ہوا اور اس قلیل التعداد جماعت کے ہاتھ سے بڑے بڑے کارہائے نہیاں ہوئے اور ہر گوشه عالم میں

اسلام کا ذکر نہیں کیا۔

تیرہ سوری کے بعد اسی اتحاد کی بذراحت جمیل رب العزت کے مظہر اتم نے اپنے نلاموں کو کیا اور سمجھا دیا کہ انہوں نمیں کبھی محبت فی الحقیقت پیشوائی کی محبت ہے کیونکہ بیٹا اور مردی اپنے باپ اور پیر کی حقیقی یادگار ہے اور یہ ایسا صحیح معیار فرمایا کہ جس میں بھی اختلاف ہوئیں سکتا۔ اسلئے کہ اگر اسلاف سے ٹھیک ہے تو ان کی نسبت کا تفہیم ہے کہ اخلاق سے خالہ اور علماً ہو۔ بقول

رُثِمْ دَلْ كَيْوْ مِزِيزْ بُوْ نَهْ مُجْعَنْ
بِ نَثَانِيْ بِهِ اِسْ كَيْ بِكَيْكَانْ كِيْ

غرض فیضان وارثی نے خدا بخش شاہ کی صورت میں تاضی صاحب کی یہ بذراحت ایسی فرمائی کہ موصوف نے صرف بیعت پر اکتفا نہیں کیا بلکہ موضع گدی کی قدمیں سکونت ہمیشہ کیلئے ترک کی۔ شب و روز خدمت بارہ کرت میں حاضر رہنے لگئی تھی کہ بکان بھی دیوبی شریف میں بنالیا اور دربارہ ولی کے مخصوص خدام میں انکا بھی شمار ہو گیا لہذا یہ اصراف گو بظاہر خدا بخش شاہ صاحب کا اصراف حلوم ہوتا ہے مگر نہیں۔ خدا بخش شاہ بجز رہنے کے تھا اور نے نواز کوئی خاص قوت تھی جس نے یہ کرشمہ کھالیا۔ بقول حافظ شیراز علیہ الرحمۃ

وَرِ بِكَيْنِيْ طَلْبِيْ سُقْتِمْ دَاشِتَهِ اَدْ
آَنْجَيْ اَسْتَادَ اَزْلَ كَفَتَهَانَ مِلْكَوِيمْ

﴿آئینے کے پچھے طولی صفت پر مد رکھا ہوا ہے جو کچھ ازل کا استاد کہتا ہے وہی کچھ یہ بھی کہتا ہے۔﴾

اور بعض مستر شدین کو حقائق و معارف کی تلقین حضور نے دوسری شان سے فرمائی کہ بغیر تو سل نکلا طمیان یوں کر دیا کہ ایک معمولی لکھ کے مطالعہ سے وہ خلام کامیاب اور فائز المرام ہو گئے۔ ہر چند اس تحریر مذکوم کا ظاہری منہج غیر معمولی نہ تھا۔ مگر باطنی طور پر اس کا اصراف کچھ اور ہوا۔ چنانچہ احد شاہ صاحب وارثی جو آبائی شرف نلایی سے مشرف اور قدیم تہبینہ پوش ہیں ان کو سرکار عالم پناہ نے ایک منشوی مرحمت فرمائی اور ارشاد ہوا کہ روز پڑھ لیا کرو۔ احد شاہ صاحب نے کچھ مرصد تک اس کی مزاولت کی جس کا اثر یہ ہوا کہ ان کی حالت بالکل متغیر ہو گئی۔ گوان کے وارداں تقلیبی سے خر وار نہیں ہوں۔ مگر بظاہر یہ کیفیت ان کی تھی کہ نہ عافیت کی خواہش نہ اٹھیت کامال۔ خویش و اقرباء سے بیزار۔ بجز پیشوائے برحق کسی سے سرفکارہ رہا اور بقول

بلل شیراز بخیال پخته ہو گیا

**جز آستان قوام در جہان پناہ نیست
سر مرا بجز این در حوالہ گاہے نیست**

﴿آپ کے آستانہ کے سوا زیادا میری کوئی پناہ نہیں اور میرا حوالہ اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے﴾
اکثر عوارض جسمانی لاحق ہوئے اور ان کی بہت سے ماقابل برداشت تکلیف بھی
الحمد للہ نہیں نہ بھی خلاص کیا اور نہ بھی فکایت سے لب آشنا ہوئے۔ جملہ حوالہ میں رضاۓ
مولانا زہد اولیٰ پر عمل رہا اور آج تک اسی اصول کے پابند ہیں بقول:

**سپرم بت مای خوش را
تو ولی حباب کم و بیش را**

﴿میں نے اپنی جمع پونچی تیرے جو لے کر دی ہے اور کم یا زیادہ کا حباب تو ہی جانتا ہے۔ ہے
تلی ہذا حافظاً خدا بخش صاحب متولی آگرہ کو بھی فیضانِ وارثی نے اسی شان سے
مستفیض فرمایا۔ ہر چند حافظاً صاحب قدیم حلقت گوش تھے اولیٰ عمر میں ان کے والدین نے
مریب کر دیا تھا۔ اسی حالت سے وہ اکثر حاضر خدمت بھی ہوتے تھے لیکن بھر عالم ظاہری کے قلندر
انہ طریق کی جانب موصوف کی طبیعت کامیلان مطلق نہ تھا۔ ایک مرتب جو شوق زیارت میں
حاضر ہوئے تو حضور اقدس نے ایک مسدس سنایا جس میں جذباتِ عشق کا مذکور تھا۔

حافظاً صاحب کو حضرت اقدس کی اس عنایت کا حساس بھی نہ ہوا۔ بلکہ خیال کیا کہ
بجائے آیاتِ واحادیث کے یہ اروہ کا مسدس کیوں سنایا گیا۔ دوسرے روز جب حضور نے
رخصت کیا تو وہی مسدس مرحمت فرمایا اور بکمال شفقت ارشاد ہوا: "حافظاً جی بھی بھی اس کو بھی
پڑھ لیا کرو۔"

حافظاً صاحب کا بیان ہے کہ آگرہ پہنچ کر دو چار بھی مرتب اس کو پڑھتا تھا کہ بھرہ وہی
واتھا تھے جن کے اشارات اس میں معلوم تھے پیش آئے اور دعطا خیالات میں اپنا تغیر ہوا کہ جو
سامانِ میری و تجھی کا تھا اس سے قطعی انفرت ہو گئی اور وہ احباب جن کی صحبت سے وہ ملکی اور
فرحت ہوئی تھی ان کی صورت سے وہ سخت ہونے لگی اور اس حالت میں روزہ انزوں ترقی ہوئی۔
چنانچہ ایک ہفتہ کے بعد دیوانہ وار حاضر خدمت ہو کر تہبند کا طلبگار ہوا لیکن حضور نے فرمایا کہ
"اپنا تقویٰ نہ فراب کر۔"

دوسرے روز حافظاً صاحب زہد و اقامتے بیزار ہو گر نگ کوام سے وست

بہ رار ہوئے۔ عاشقانہ روشن انتیار کی اور ملامت خلق بہ داشت کرنے کیلئے تیار ہو گئے۔ ہر چند بعض اعلیٰ عقول وہوش نے سمجھا لیا بھی۔ مگر وہ جوش فروز ہوا اور ایک آہ سرد بھر کر اضطراری حالت میں کہا کہ آپ میرے غنوار ضرور ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے بقول حافظ شیراز زندگی علیہ:

حافظ بخود نہ پوشید این خرقہ مے آلوو

اے شیخ پاک دامن معدود دار مارا

(حافظ نے پیشرا ب کے داغوں سے پر لبارہ خود نہیں پہنا اے شیخ پاک دامن اس جواب سے مجھے معدود رجان ہے)

اور اسی ردِ انتہ طریقی اور فلندرانہ وضع سے خدمتِ بارہ کمٹ میں حاضر ہوئے ان کی یہ بیان کہ ذاتی دیکھ کر حضرت مسکرا نے اور اسی وقت خرقہ فقر یعنی تہبید مرحمت ہوا اور احمد شاہ مام رکھا اور ارشاد ہوا "حافظ! اب اسی وضع سے رہنا اور اسی وضع سے مرتبا۔"

اب اگر خیال کیا جائے وہ مہنوی ایسے حلقائی و معارف سے ملتوی جس کے درد سے احمد شاہ صاحب فائزِ المرام ہوئے اور یہ مسدس سر اپار موز و اسرار سے معمور تھا جس کے مطابع سے نوری اڑی یہاں کہ حافظ احمد شاہ صاحب ایسے ناپ بیرون کو یخود و بیقرار کر دیا تو کہاں ہی چاہئے گا کہ ہر گز نہیں اسلئے کہ ان مذکوم تمثیروں میں کو خصوصیاتِ عشق اور اڑاتِ محبت کا ذکر ضرور ہے مگر متعدد حضرات نے انکا مطابع کیا ہے۔ لیکن بظاہر یہی دو شخص پیونکہ کامیاب ہوئے ہیں۔ اس واسطے صاف ظاہر ہے کہ یہ کر شد کسی خاص قوت کا مدد کا ہے جس نے اس پر وہ میں اپنے خلاموں کو دیکھ دیافت کی آنکھیں مرحمت فرمائیں اور ہر سوں کی ریاست شاقوں کے بعد بھی جو صورتِ وتم و خیال میں آتا دشوار یا محال تھی۔ اس کائنی الحال اپیا اپنہار ہوا کہ جس کو دیکھ کر یہ مدھوش و بیقرار اور تعلقاتِ عالم سے قطعاً دامت بدار ہو گئے۔

چنانچہ اسی قبیل کے متعدد واقعاتِ یہیں کہ مختلف طریق سے اپنے خلاموں کی سرکار عالم پناہ نے پرورش فرماتی ہے اور وہ ثابت تفویض ہوئی جو ان کی دیشیت و استعداد سے بہت زیادہ تھی اور اس کا بھی یقین ہے کہ جو ارادتمند بظاہر فیضانِ باطنی سے ہنوز مستقیض نہیں ہوئے ہیں۔ وہ بھی بمصادق۔ "مکیں امیرِ مُرْهُون" پاؤ فاتحہا "عطا یت پیشوائے محروم نہیں رہیں گے کیونکہ جنور نے متواتر فرمایا ہے کہ "جسکی فحست کا جو حصہ ہے وہ اس کو ملے گا اور اگر زندگی میں نہیں ملا تو مرتے وقت ضرور ملے گا اور مرتے وقت تھا ملا تو انکی قبر میں ضرر و خلوص دیا جائے گا۔ اور یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ "ماشق کا مرید بے ایمان نہیں مرتا۔" لہذا ایمان و ارثی کو یہ بنا رہتے

مبارک ہو کر ہادی کامل نے امداد کا قطعی وحدہ فرمایا ہے اور جب امداد کا وقت آیا تو حسب وحدہ امداد کی۔ یعنی وہ صادق الاقرار آئندہ بھی اپنا وحدہ ضرور رائیقا کریگا۔

بلکہ اس عطیات باطنی کے ساتھ حسنور نے ظاہری ہدایات سے بھی ہم کو خروج نہیں رکھا جن کی قابل سے اعلیٰ ظواہر کے دینوی معاملات درست اور اعلیٰ اللہ کی دینی مشکلات آسان ہو سکتی ہیں۔ بقول

بخاری شن حنت دل و جان نازہ میدارو

برنگ اصحاب صورت را بوارباب معنی را

فیاض کی ہواں و جان کی خوبصورتی کو نازہ کرو جی ہے جس طرح اصحاب صورت ارباب معانی کے نمائندہ ہوتے ہیں۔

ہر چند حسنور کے بعض مفہومات کا ذکر اخوان ملت نے اپنی تائیفات میں کیا ہے اور وہی ہماری ہدایات کے واسطے کافی اور بس تھے لیکن مناسب حلوم ہوتا ہے کہ اپنی حاضری کے زمانہ میں جوارشادات بگوش خود سے ہیں اور نہ نوزیرے حافظہ میں محفوظ ہیں۔ ان میں سے چند ضروری ہدایات مجملہ نقل کروں۔

چنانچہ حسنور نے فرمایا کہ:

☆ فقیر کو چاہئے ہر حال میں خوش رہے اور زندگی کے دن کاٹ دے۔ تکلیف ہو تو شکایت نہ کرے اور آرام ہو تو شکر بجا لائے۔

☆ اور یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ فقیر کو چاہئے نہ تکلیف سے گھبرائے اور نہ شکایت کرے۔ کیونکہ محبوب کی دی ہوئی چیز سے گھرا محبت کے منافی ہے اور محبوب کی شکایت مشرب عشق میں کفر ہے۔

☆ اور یہ تو سرکار عالم پناہ نے متواتر فرمایا ہے کہ ہر یہ فقیر یہ ہے کہ مر جائے مگر کسی کے آگے پاٹھ نہ پھیلائے۔ ☆ اور یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ فقیر کو چاہیے کسی کی چیز کو خیانت کی نگاہ سے نہ ریکھے۔

☆ فقیر وہ ہے جو انگر ہے۔

☆ فقیر وہ ہے جو اپنی بحقی میں رہ کر خویش و اقرابا کامنون نہ ہو۔

☆ فقیر کو لازم ہے کہ بجز خدا کے کسی کا بھروسہ نہ کرے۔

☆ فقیر جہاں رہے لاطبع رہے۔

- ☆ پر کی بات یہ ہے کہ فقیر اپنی بھتی میں نیک کام ہو۔
- ☆ مقام فقر بہت بڑا مقام ہے۔
- ☆ سلسلہ فقر اہمیت کرام علیہم السلام سے ہے۔
- ☆ فقیر کی بی بی ناظمۃ سے ہے اور امام حسین علیہ السلام کے ذریعے یہ فرض جاری ہوا۔
- ☆ فقیر وہ ہے جو ملت خام سے طلحہ ہو۔
- ☆ فقیر وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو۔
- ☆ فقیر وہ ہے جو کسی چیز کا نہ ملک ہو نہ خود کسی کی ملک میں ہو۔
- ☆ فقیر کو چاہیے نہ کسی کیلئے دعا کرے اور نہ گندہ اعتماد کرے۔
- ☆ فقیر وہ ہے جس کی کوئی سانس خالی نہ جائے۔
- ☆ یہ بھی بتا کیا فرمایا ہے کہ فقیر کو لازم ہے کہ وہ ناکے والٹے کوئی کام نہ کرے اور خدا کے واسطے جان دیجے۔
- ☆ جو شخص اپنا کام آپ کرنا چاہتا ہے تو اللہ میں بھی طلحہ ہو جاتے ہیں اور جو اللہ کے بھروسہ پر چھوڑتا ہے تو اللہ اس کے کام کو پورا کرتا ہے لیس لازم یہ ہے کہ جو کام کرے اللہ کے بھروسہ پر کرے۔
- ☆ یقین کے ساتھ خدا کو اپناند و گار جاؤ۔ و کفی بالله و کبلا۔
- ☆ خدا ہر چیز کا ملک اور ہر چیز پر تناور ہے۔
- ☆ خیر و شر اسی کی جانب سے ہے۔ مگر تصدیق اس کی مشکل ہے۔
- ☆ خدا تم میں ہے مگر تم دیکھ نہیں سکتے (فِي الْفَسْكُمْ أَقْلَاتُ بُصَرُّونَ)۔
- ☆ ایمان خدا کی محبت کا کام ہے۔
- ☆ من و تو کا بھگڑا جائے تو خدا اپنی کا جلوہ نظر آئے۔
- ☆ اپنی استقی کا منما میں فقیر یہ ہے۔
- ☆ یہ بھی فرمایا ہے کہ موحد ہونا بہت مشکل ہے۔
- ☆ آنکھ کل تو حید لگے سیر ہے۔
- ☆ مشق و بھی ہے جو کب سے نہیں حاصل ہوتا۔
- ☆ محبت ہے تو سب کچھ ہے اور محبت نہیں تو ریاست بیکار ہے۔
- ☆ محبت ہے تو ہزار کوں پر ہم تھمارے ساتھ ہیں۔
- ☆ ایک صورت کو پکڑ لو وہی تمحارے ساتھ یہاں بھی رائیگی اور وہی قبر میں اور وہی حشر میں

ساتھ ہوئی۔

- ☆ محبت میں شاد و گدا کافر قبیلیں رہتا۔ جیسے محدود ولایت کا واقعہ ہے۔
- ☆ یار کا تصور عاشق کی زندگی ہے۔
- ☆ رضاۓ یار عاشق کا ایمان ہے۔
- ☆ عشق میں انتظام نہیں۔

☆ جس کو اپنی خواہشات کی خیر ہے وہ عشق سے بخیر ہے اور اسی مضمون کو حضور نے دوسرے
لغتوں میں یوں فرمایا ہے کہ عاشق یار سے خیر و اوزن و جودا سے بخیر رہتا ہے۔
☆ معموق کی جنا کو عاشق عطا کرتا ہے۔
☆ محبت میں انسان اندھا ہو جاتا ہے۔
☆ ایمان محبت کامل کام ہے۔
☆ عشق میں ترک ہی ترک ہے۔
☆ عاشق وہ ہے جو معموق پر جان قربان کرے۔
☆ عشق میں سردے تو یہم سرد ہو۔
☆ جب تک خود بینی ہے پھر سے جا ب رہے گا۔
☆ خود پرستی جا ب کو پڑھاتی ہے اور تصور سے دور رکھتی ہے۔
☆ بے خودی جا ب کو انجھاتی ہے۔

☆ مردہ اس طرح پھر سے ملے۔ جس طرح قطرہ دریا سے مل جاتا ہے۔ جب تک قطرہ نہیں مل۔
قطرہ رہتا ہے اور جب مل جاتا ہے تو وہی قطرہ دریا ہو جاتا ہے۔ پھر کوئی اسے قطرہ نہیں کہتا۔
☆ عشق میں کفر اسلام ہو جاتا ہے۔

☆ انسان اسی کے ساتھ رہتا ہے جس سے محبت ہوتی ہے۔
☆ پھر کی صورت میں خدامت ہے اور تمیل میں مولانا علیہ الرحمۃ کا یہ شعر پڑھا

چون کہ ذات پھر را کروی قبول

هم خدا در ذات آمد هم رسول

☆ میں نے پھر کی ذات کو اس لئے قبول کیا ہے کہ اس کی ذات میں اللہ اور رسول نظر آتے ہیں یہ
☆ ہوش جس سے محبت کرنا بھائی کے ساتھ اس کا حشر ہوتا ہے۔

☆ جو صورت تمہارے ساتھ یہاں رہے گی وہی مرتے وقت، وہی قبر میں، وہی حشر میں ساتھ رہے گی۔

☆ جس کے تصور میں مردگے اسی کے ساتھ حشر ہو گا۔

☆ جس کو تصدیق نہیں اس کا ایمان نہیں۔

☆ جس صورت کا خیال پختہ ہو جائے گا وہی صورت بعد مرگ بھی قائم رہے گی۔

☆ جو مرید ہبھر کو دور بھجے وہ مرید اُس ہے اور جو ہبھر ہبھر ہے دور ہے وہ ہبھر اُس ہے۔

☆ حسد ہمیشہ ذلیل رہتا ہے۔

☆ حسد سے ایمان خراب ہوتا ہے۔

☆ کسی کو برانہ کوہ نہ برآ بھجو۔

☆ کسی کی عداوت کو دل میں جگنہ دو۔

☆ دُشمن سے پرانہ نہ لو۔

☆ دُشمن کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ یہ حضرت شیرخدا کی حکمت ہے۔

☆ جس دل کو محبت سے سروکار ہوتا ہے اس میں عداوت کی گنجائش نہیں ہوتی۔

☆ ہماری منزلِ عشق ہے اور منزلِ عشق میں خلافت اور جائشی نہیں، جو تم سے محبت کرے وہ

ہمارا ہے۔ (پلکہ مستندہ رائج سے، علوم ہوئے اور رسالہ صین ایقین میں بھی لکھا ہوا ہے کہ

۲۷ نومبر ۱۸۸۹ء کو یہ فرمان مایس صراحت طبق تحریر میں آیا کہ) ہماری منزلِ عشق ہے جو کوئی

دعویٰ جائشی کا کرے وہ باطل ہے ہمارے یہاں کوئی چہار ہو یا ناگرہب ہو جو تم سے محبت

کرے۔ وہ ہمارا ہے۔“

اغر غص پیشوائے برحق نے ہماری ہدایت ایسے جامع اور عام فہم الفاظ میں فرمائی ہے

جو سرخوبیوں سے مملو ہے۔ مثلاً اگر نظر غائز سے دیکھا جائے تو انہیں احکام میں شخصیں بھی پانی

جائی ہے اور انہیں میں قیم بھی۔ علوم ہوتی ہے۔ جس طرح ایک مجرداً اور آزاد غلام انہیں احکام کی

لکھیں سے کامیاب اور فائزِ الامر ہو سکتا ہے اسی طرح ایک ایسا واسطہ گرفتہ جو نور زادم تعلقات

میں گرفتار ہے وہ بھی انھیں زرین ہدایات سے استفادہ حاصل کر سکتا ہے۔ اسلئے ہماں اور بلند ہم

کہہ سکتے ہیں کہ حضور کے ارشادات ہمارے دینی مفادات دینیوں، بہروں کے واسطے کافی اور بس

ہیں اور ملنونکات وارثی کا مجموع جملہ علامان وارثی کیلئے مکمل دستورِ عمل کا حکم رکھتا ہے۔ جس کی

لکھیں سے ہم انسان بکد انسان کامل ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ وہ اخوانی ملت جنہوں نے صدق

وناوص سے خشور کی تعلیم کو گلچیخ سلام کیا ہے وہ مقصود اصلیٰ کے حاصل کرنے میں ضرور کامیاب ہوئے اور درحقیقت وہی اس کے متعلق ہیں کہ ان کو یہ مقدس خطاب دیا جائے اور ان کو وارثی کہا جائے۔

ماں کے حقیقی ہم کو بھی یہ توفیق مرحمت فرمائے کہ فرمانبردار تعالیٰ کی طرح ہم بھی احکام و ارثی کی پکالی ذوقِ شوقِ قبیل کریں اور ہمارے خیال کو بھی ایسی یکسوئی اور وہ استقلال حاصل ہو کہ حاویتِ محسوساتِ عالم سے ہم مبتلا نہ ہوں اور مطلوبِ حقیقی کے شوق وصال میں زبانِ حال سے کہیں:

جان من زده بتائیں ہوائے مگر است
سازواری نہ کند آب و بائے مگر

﴿میری جان کسی دوسری ہوا کے اڑتے قائم ہے۔ کوئی اور ہوا اور پانی میرے موافق نہیں ہے
لہذا اب یہ رسالہ اس غدر کے ساتھ ختم کرتا ہوں کہ جب یہ مسلم ہے کہ شہنشاہِ اکلم
عشقِ سرکارِ عالم پناہ کے اصرفات وہ بیانات بھی یقینی جذباتِ عشق اور خصوصیاتِ محبت سے خالی
نہیں تو عشق کے روز و اسرا کا جملہ ذکر کرنا بھی دشوار ہے۔ بقول

خن عشق نہ آنت ک آید بہان
ساقیا می دہ و کوہا، کن این گفت و شنید

﴿عشق کی بات بھی زبان پر نہیں آ سکتی ساقیا مجھے جامِ تھما دے تاکہ میں اس بات پریت کو خضر
کر دوں ۴﴾

تم بعونہ تعالیٰ و هو بنوای الصالحين

پلیان آمداین فخرِ حکایتِ آنچنان باقی
بحمدِ فخرِ نشاید گفت حسب الحال مشتاق

﴿یہ کتابِ مکمل ہو گئی لیکن ابھی اس کی بات باقی ہے شاید اس کی بات کیلئے سوکتا ہیں بھی ماکانی
ہوں نی۔ ۵﴾

تقریظ و تاریخ

از تائیج طبع مای خن سخنی نہیں جامع فضل کمال فتح طلاق اللسان مطہرین بلغ البیان فروع مطلع
معنی شناسی

جناب حکیم مولوی سید احمد صاحب وارثی مدظلہ العالی

گوش آجی ز ہر سویم ہواوارث ہواوارث

ازین رو فاش میگویم ہواوارث ہواوارث

الحمد لله الذى من علينا بوجود محمد المصطفى پائیم پس آنکه
درین روز پاہر اور مجرم حضرت او گھٹ شاہ وارثی پھر ایونی کے تصانیف و میراث دار و رسالہ مدینہ
و نبیہہ رشحات الانس درباب پچوئی مرور و تناست خوبیتیں منطبق فرمودہ کہ دران از یوم اور اک
شرف خدمت حضور مرشد پاک فرزند صاحب لوالک قطب عالم غوث اعظم حاجی حرمین
الشیخین و سلطنتی الدارین سیدنا ہوئینا وارث علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ تاخانے زندگانی ظاہری
و ظہور حیوة باطنی حضور لامع النور طاپ شراہ و بعل جد الرضوان شواہ ہرچہ دید و گذشت بطریق
اختصاری کے از بزرگیت نمودہ تا از سرگذشتیا دگارے و پس آیندگان را ازوے تذکارے
باشد۔ ہمدرین نور و دل ان اور اق آخربخش تحریکاہ تمباہا بد سے از گرانما یہ گوائے ملحوظات ہا یہیں
کہ گاہ بیگاہ دران ہنگام گوش ہوش خوردہ بور پر اپنا شہزادے وہ ماۓ خوبیتیں ہیوڑ زادے برداشتہ
چشم آن دارم کیا اگر میسر شو و ووئیگر برادران طریقت ہم تم تباش کام بردارند و خیر و خوبی و گذشتہ
مرغوبی ازین دست فرامیم میتوان شد۔ قطعہ مختصرے از سال طبعش کر تجلیت تمام بکم رسید الحال
ہوک خامہ پر وہ میشور و السلام خیر خدام۔

چ او گھٹ شاہ احوالش رقم کرو
اگرچہ بیشتر حال خوش ہست
بھیش وارث بیک من احمد
بیش زدم از تاریخ وارث
نی سمجھ کم ، از تاریخ وارث
بھد سائش ہم ، از تاریخ وارث